بوسنیا کے عرب شہداء

مولانا امیر حمزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بوسنیا کے عرب شہداء
مولانا امیر حمزہ
Dar-ul-Andlus
Ph: 92-42-7230549
Fax: 92-42-7242639
www.dar-ul-andlus.com
اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز
دار الاندلس

نام کتاب

بوسنیا کے عرب شہداء

تالیف

مولانا امیر حمزہ

ناشر .... دارالاندلس

قیمت ....
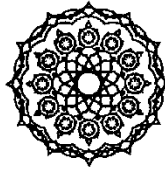
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

بوسنیا کے عرب شہداء

مسنون خطبہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

''بلاشبہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے، اسی سے مدد مانگتے اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ دھتکار دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

''حمد وصلوۃ کے بعد! یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام امور میں سے برے کام (دین میں) خودساختہ (بدعت والے) کام ہیں، ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۝ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا۝ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۝

''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم مسلمان ہو۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، (پھر) اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلا دیا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے (بچو)۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (سچی اور کھری) بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، یقیناً اس نے عظیم کامیابی حاصل کرلی۔''

① ((مسلم' الجمعة' بابا تخفيف الصلوة و الخطبة' حديث ٨٦٨ و ٨٦٧۔ والنسائی' ٣٢٧٨))

② ((رواه الاربعة واحمد والدارمی و روی البغوی فی شرح السنة مشكوة مع تعليقات الالبانی' النكاح' باب اعلان النكاح...... وقال الالبانی حديث صحيح۔))

تنبیہات:

➤ صحیح مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں خطبہ کا آغاز ((ان الحمدلله)) سے ہے لہٰذا ((الحمدلله)) کی بجائے ((ان الحمدلله)) کہنا چاہیے۔

➤ یہاں ((نومن به ونتوكل عليه)) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہیں۔

➤ یہ خطبہ نکاح، جمعہ اور عام وعظ وارشاد یا درس و تدریس کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ اسی خطبہ حاجت کہتے ہیں اسے پڑھ کر آدمی اپنی حاجت و ضرورت بیان کرے۔

افغانستان سے بوسنیا تک

روس نے افغانستان پر دھاوا بولتے ہوئے وہاں اپنی فوجیں داخل کر دیں۔ 1979ء سے 1991ء تک اسے مجاہدین کے جہاد کا سامنا کرنا پڑا۔ روسی صدر، برزنیف کے دور میں افغانستان کے صدر سردار داؤد کو قتل کر کے مداخلت کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے بعد نور محمد ترکئی کو صدر بنایا گیا اور روسی فوجوں کو افغانستان میں داخل کر دیا گیا۔ افغانستان میں جن روسی سربراہوں کو جہاد کا مزہ چکھنا پڑا وہ چار ہیں!

① صدر برزنیف

② آندروپوف

③ چرننکو

④ گورباچوف

صدر برزنیف کا عرصہ صدارت کافی لمبا تھا۔ اس کے دور میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کو خوب دھمکیاں ملتی تھیں کہ وہ افغانستان میں مجاہدین بھیج کر مداخلت کر رہے ہیں۔ جب برزنیف بڑھاپے سے مر گیا تو ضیاء الحق تعزیت کرنے ماسکو چلے گئے۔ آندروپوف بہت بوڑھا تھا ڈیڑھ دو سال کے اندر اندر وہ بھی مر گیا۔ جنرل ضیاء الحق صاحب اس کی آخری رسومات میں شرکت کرنے بھی پہنچ گئے ...... اس کے بعد تقریباً سال بھر چرننکو نے حکومت کی وہ آندروپوف سے بھی زیادہ بوڑھا تھا۔ جب وہ مرا تو جنرل ضیاء الحق اسے بھی کندھا دینے فوراً ماسکو جا پہنچے۔ اس عمل نے روس کے اعلیٰ ترین کمیونسٹ حکمران ادارے

''پولٹ بیورو'' کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ اپنی خفت محسوس کرنے لگے کہ ہمارے بوڑھے حکمران مرتے جاتے ہیں اور ضیاء الحق بار بار آ کر ہمارا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ افغانستان میں مداخلت کار بھی ہے اور یہاں ہمارا مذاق اڑانے بھی آ جاتا ہے...... چنانچہ ''پولٹ بیورو'' نے اب کے ذرا جوان آدمی ''گورباچوف'' کو صدر بنایا......لیکن اب مجاہدین کے ہاتھوں صدمے کھا کر روس اس قدر بوڑھا ہو گیا تھا کہ بالآخر وہ مر گیا۔ اس کا الحادی نظریہ ''کمیونزم'' بھی فوت ہو گیا......اس دوران افغانستان میں جو صدر بار بار بدلے گئے وہ یہ تھے!

① سردار داؤد (قتل ہوئے)

② نور محمد ترکئی (قتل ہوئے)

③ حفیظ اللہ امین (قتل ہوئے)

④ ببرک کارمل (ماسکو جلا وطن ہوئے)

⑤ نجیب اللہ (طالبان مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوا)

جب روس شکست کھا کر وہاں سے نکلا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس سے الگ ہو کر جو ٹکڑے ملکوں کی شکل اختیار کر گئے وہ یہ ہیں:

ازبکستان، تاجکستان، قازقستان، کرغستان، ترکمانستان، آذربائیجان، بیلارس، یوکرائن، لٹویا، لتھویا، اسٹونیا، ابخازیا، آرمینیا، جارجیا۔

جی ہاں! یہ چودہ وہ ملک تھے جو روس کے جسم سے الگ کر خود مختار ملک بن گئے۔ ان میں پہلے چھ مسلمان ملک ہیں اور باقی آٹھ عیسائی ملک ہیں۔

چونکہ دنیا دو بلاکوں میں تقسیم تھی ایک روسی بلاک کے ملک تھے اور دوسرے امریکن بلاک کے ملک تھے...... اب روس سے باہر وہ آزاد ملک جو روسی بلاک میں شامل تھے۔ وہاں انقلاب آنے لگ گئے روس کے حمایت یافتہ سربراہان گرنے لگ گئے اور دوسرے سربراہان ان کی جگہ سنبھالنے لگ گئے۔ ان ملکوں کے چند ایک نام یہ ہیں۔

چیک، سلواکیہ، رومانیہ، ہنگری، بلغاریہ، مشرقی جرمنی...... مغربی جرمنی کے ساتھ مل گیا

دیوار برلن ٹوٹ گئی اور جرمنی ایک ملک بن گیا۔

رومانیہ کا صدر شسکو تھا وہ روس نواز کمیونسٹ تھا...... روس کے ٹوٹنے پر وہاں کے لوگ انقلاب لائے چاؤشسکو کو لاکھوں لوگوں کے سامنے کرسی پر بٹھا کر گولی ماری گئی اور پھر وہاں کے لوگوں نے جو جملہ بولا وہ ساری دنیا کے ذرائع ابلاغ میں یوں گونجا:

''ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن کو گولی ماردی۔''

تیسرے نمبر پر جو ملک برباد ہوا۔ اس کا نام ''یوگوسلاویہ'' تھا۔ مارشل ٹیٹو اس کا صدر تھا۔ پکا کمیونسٹ تھا۔ اس نے چند بلقانی ریاستوں کو ملا کر ''یوگوسلاویہ'' کے نام سے ملک بنایا تھا، لیکن جب روس ٹوٹا تو یہ ملک بھی بکھر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ یہ ٹکڑے کچھ اس طرح سے ہیں:

۱۔ بوسنیا ہرزی گوینیا۔

۲۔ کوسووا

۳۔ سربیا

۴۔ کروشیا

۵۔ مونٹی نیگرو

۶۔ سلووینیا

۷۔ مقدونیا

ان سات ملکوں میں جو پہلے دو ملک ہیں یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی...... باقی ملکوں میں عیسائیوں کی اکثریت تھی۔ دنیا بھر میں عیسائیوں کے تین فرقے مشہور اور بڑے ہیں۔

① کیتھولک

② پروٹسٹنٹ

③ آرتھوڈکس

ان تین بڑے فرقوں کے جو بالترتیب مذہبی صدر مقام ہیں وہ یہ ہیں!

① کیتھولک کا ''ویٹی کن سٹی'' (اٹلی)

② پروٹسٹنٹ کا ''لندن'' (برطانیہ)

③ آرتھوڈکس کا ''ماسکو'' (روس)

اب یوگوسلاویہ جو ٹوٹ کر سات ملکوں میں تقسیم ہوا اس کی سب سے بڑی، طاقتور اور حکمران ریاست سربیا کا مذہب ''آرتھوڈکس'' تھا۔ باقی ساری عیسائی ریاستوں کا مذہب ''کیتھولک'' تھا۔ چنانچہ جب یوگوسلاویہ کا ملک ٹوٹا اور ریاستوں نے آزادی کے اعلانات کیے تو سربیا اپنی فوجوں کے ساتھ ان ملکوں پر ٹوٹ پڑا۔ یورپ کہ جس کا اکثریتی مذہب کیتھولک ہے۔ اس یورپ نے اپنے ہم مذہب کیتھولک عیسائیوں کی بھرپور مدد کی۔ ان کے ملکوں کو تسلیم کیا۔ اسلحہ کے ساتھ مدد دی اور سربیا کا راستہ روکا ...... ان ملکوں میں بے یارومددگار تھا تو وہ ''بوسنیا ہرزی گوینیا'' کا ملک تھا۔ اس نے آزادی کا اعلان کیا تو سربیا نے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ مسلمان ممالک غافل رہے۔ یہ ملک ایک مسلمان ملک کی حیثیت سے کچھ باقی رہا تو کس طرح ...... کن لوگوں نے قربانیاں پیش کیں ...... وہ لوگ کون تھے؟ جہاد کا علم بلند کرنے والے کون تھے؟ شہادت کا رنگ بھر کر بوسنیا کا تحفظ کرنے والے کون تھے۔ ان تفصیلات سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ بوسنیا کے سابق سپریم کمانڈر شیخ ابوعبدالعزیز حفظہ اللہ نے ...... انھوں نے جو دستاویز روانہ کی اسے مرتب کیا ہے۔ جناب حمد القطری اور ماجد المدنی نے ...... آنے والی تحریروں میں تذکرہ ہونے چلا ہے مجاہدین کے اس خون کا جو بوسنیا کے پہاڑوں اور وادیوں میں گرا۔

اپنے رب کریم کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے توفیق عطا فرمائی اور یہ تذکرہ میرے قلم سے مرتب ہوا ...... شیخ ابوعبدالعزیز حفظہ اللہ نے جو ذمہ داری لگائی تھی، وہ پوری ہوئی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

امیر حمزہ

چیف ایڈیٹر ہفت روزہ غزوہ

کس جرم کی سزا پائی ہے ہم نے؟

بوسنیا کے سابق سپریم کمانڈر شیخ ابوعبدالعزیز حفظہ اللہ بوسنیا کے مسلمانوں کی آنکھوں دیکھی صورتحال کے بارے میں بتاتے ہیں کہ بوسنیا کے مسلمان جو سالہا سال سے کمیونزم کے شکنجے میں جکڑے رہے۔ وہ اپنا دین فراموش کر چکے تھے۔ مغربی تہذیب اور کمیونزم کے لادین اور خدا دشمن نظریئے کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔ وہ نام کے مسلمان تھے۔ صورتحال اس قدر پریشان کن تھی کہ بعض مسلمانوں کا اسلام صرف کلمہ تک محدود تھا اور بعض کو کلمہ بھی نہیں آتا تھا۔ وہ صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں عیسائیوں میں اور ان میں کیا فرق ہے ...... انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا۔ انھیں اس صورتحال تک یوگوسلامیہ کے کمیونسٹ سرب اور صلیبی صدر مارشل ٹیٹو نے پہنچایا تھا ...... اس کے باوجود ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ان کے الگ ملک کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا ...... محض اس وجہ سے کہ ان کے نام مسلمانوں والے ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ بے شک وہ شرابیں بھی پیتے ہیں۔ لباس بھی مغربی زیب تن کرتے ہیں۔ عیسائیوں میں کھلے عام شادیاں کرتے ہیں ...... لیکن چونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ...... اس لیے انھیں یورپ نے معاف نہیں کیا ...... شیخ ابوعبدالعزیز حفظہ اللہ نے ایک حیران کن بات بتلائی کہ بوسنیا میں قیام کے دوران یہ واقعہ ان کے سامنے آیا کہ ایک بوسنوی مسلمان سے پوچھا گیا کہ جہاد کرتے ہوئے اگر تم شہید ہو گئے تو کہاں جاؤ گے؟ اس نے جواب دیا! جنت میں ...... پھر پوچھا گیا کہ اگر سرب صلیبی مارا گیا تو وہ کہاں جائے گا؟ اس پر بھی وہ کہنے لگا! کہ وہ بھی جنت میں جائے گا۔ یعنی اس بے چارے کا اسلام اس قدر تھا کہ اسے جنت کا تو پتہ تھا مگر جہنم کے بارے میں معلوم ہی نہ تھا

کہ وہ بھی کوئی شے ہے...... جی ہاں! اس طرح کے لوگوں پر ظلم کیا گیا محض اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہیں......اور ظلم کس طرح کا کیا گیا...... ملاحظہ ہوا!

بوسنیا کے مسلمانوں نے علی عزت بیگووج کو اپنا صدر بنایا۔ صدر نے جونہی بوسنیا کی آزادی کا اعلان کیا۔ سرب صلیبی فوجیں اور عام سول سربی اسلحہ سے مسلح ہو کر مسلمانوں کے شہروں اور دیہات پر ٹوٹ پڑے۔ ہر شہر اور بڑے گاؤں میں جن مسلمانوں کے پاس تھوڑا بہت اسلحہ تھا۔ وہ اسلحہ چھین لیا گیا۔ اسلحہ چھیننے کے بعد یہ سرب صلیبی درندے گاؤں یا شہر کے تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرتے پھر انھیں جانوروں کی طرح ہانک کر اپنے عسکری کیمپوں میں لے جاتے...... جب یہ مظلوم مسلمان مرد عورتیں بچے وہاں پہنچتے تو کیمپ نما جیل کے دروازے پر چھانٹی شروع ہو جاتی۔ عورتوں کو الگ کر لیا جاتا اور مرد حضرات جن میں لڑکے بھی شامل ہوتے۔ ان کو الگ کر دیا جاتا...... سرب حکومت نے اپنی فوج سے ہٹ کر سول نوجوانوں کی ایک مسلح تنظیم بنائی تھی۔ اس تنظیم کو ''چیتوں کی تنظیم'' کہا جاتا تھا۔ اس کا لیڈر مسلمانوں کے لیے درندوں سے بھی بدتر درندہ تھا...... مسلمانوں کے لیے جو جیل خانے تیار کیے گئے۔ ان میں سے بعض جیل خانوں کا کنٹرول اسی کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمانوں کو ایسے ایسے غیر استعمال شدہ تنگ کمروں میں اوپر تلے ٹھونسا گیا کہ وہ سانس گھٹنے سے مرنے لگے...... جو مر جاتے انھیں باہر پھینک دیتے۔ جو بیمار اور لاغر ہوتے انھیں مسلمانوں کے سامنے قتل کر دیا جاتا۔

ان ظالموں نے اس قدر ظلم کیا کہ سربیا کے ہسپتالوں میں اگر کسی سرب عیسائی کو کسی عضو کی ضرورت پڑ گئی تو وہ اپنی ضرورت جیلوں میں بند مسلمانوں سے پوری کرتے۔ اگر میڈیکل کالجوں کے ڈاکٹروں اور طالب علموں کو انسانی جسم پر تجربات کی ضرورت ہوتی تو اس کے لیے ان قیدی مسلمانوں پر تجربات کیے جاتے...... ظلم کی انتہا تھی کہ اگر گردے کی ضرورت پڑ گئی تو زندہ مسلمان کا گردہ نکال لیا جاتا۔ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ ہڈیاں۔ ان کے جوڑ، گوشت الغرض! انسانی جسم کے کسی بھی حصے کی ضرورت ہوتی۔ اس حصے کو زندہ

مسلمان کے جسم سے پورا کیا جاتا......اس کے بعد وہ مسلمان تڑپ تڑپ کر فوت ہو جاتا۔

ایک مسلمان عورت کا واقعہ جو پتھروں کو بھی خون کے آنسو رلا دے۔ مگر اس کا ارتکاب کسی درندے نے نہیں کیا بلکہ انسان نے کیا......اور انسان کون ہے۔ سربیا کا صلیبی ہے...... یہ مسلمان عورت حاملہ ہے۔ آٹھواں مہینہ ہے۔ یہ مظلومہ سربوں کے عقوبت خانے میں قید ہے۔ اسے یہاں سے نکالا گیا اور سربیا کے دارالحکومت بلغراد میں لے جایا گیا۔ وہاں میڈیکل کالج میں اسے آپریشن تھیٹر میں تجربے کے تخت پر لٹا دیا گیا۔ اس کا پیٹ پھاڑ دیا گیا۔ مسلمان بچے کو ذبح کر دیا گیا۔ جبکہ اس ذبح ہونے والے بچے کی جگہ پر جو بچہ رکھا گیا ہے...... یہ بچہ بلی کا بچہ تھا...... ایک حاملہ بلی پکڑی گئی۔ اس بلی کا پیٹ پھاڑا گیا۔ وہاں سے ایک بچہ لے کر مسلمان خاتون کے پیٹ میں رکھا گیا تاکہ تجربہ کریں کہ بلی کا بچہ نشوونما پاتا ہے یا نہیں؟

جی ہاں ! یہ تجربات کون کر رہے ہیں۔ سربیا کے ڈاکٹرز اور صلیبی طلباء...... جو پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور اس طبقے کو رحم دل کہا جاتا ہے۔ پیشے کے اعتبار سے وہ رحم دل طبقہ بھی بے گناہ اور بے بس مسلمانوں کے لیے قصابوں سے بدتر تھا۔ جس معاشرے کے ڈاکٹر ایسے ظالم ہوں وہاں کے فوجی کیسے ہوں گے؟

مسلمان جو کیمپ نما جیلوں میں تھے۔ ان کے ساتھ سرب درندے اور کیا کچھ کر رہے تھے......سن کر اور پڑھ کر پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ یہ ظالم درندے ان مسلمانوں کو جیلوں سے نکالتے۔ انھیں محاذوں پر لے جاتے۔ وہاں پر انھیں خندقیں کھودنے پر لگا دیتے۔ مسلمان سرب فوج کے لیے خندقیں کھودتے، درخت کاٹتے، لکڑیاں اکٹھی کرتے، راستے درست کرتے، وہ فجر سے لے کر غروب آفتاب تک مشقت کے تمام کام کرتے۔ سرب فوجی ان کی نگرانی کرتے ...... یہ سارے کام کر کے جب وہ جیل خانے کے کیمپ میں واپس لوٹتے تو وہاں سرب درندے ان کے لیے قتل کی مجلس منعقد کرتے اور وہاں روزانہ چند مسلمانوں کو سب کے سامنے قتل کرتے۔

مظلوم مسلمان عورتوں کا حال یہ تھا کہ وہ سرب صلیبی فوجیوں کی وردیاں دھوتیں۔ ان کے لیے کھانا تیار کرتیں۔ زخمی فوجیوں کے زخم دھوتیں۔ ان کی خدمت کرتیں...... دن بھر کی ان ساری جبری خدمات کے بعد جب رات پڑتی تو پھر ان مظلوم مسلمان عورتوں کے لیے عذاب کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ وہ سرب صلیبی فوجی جو محاذوں سے واپس آتے۔ وہ بدمعاش ان عورتوں کی عزتوں کو برباد کرتے۔ ان عزتوں کی بربادی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ پچاس ہزار بوسنوی مسلمان عورتیں ان عقوبت خانوں میں حاملہ ہوئیں...... اور یہ وہ حقائق ہیں جو گواہیوں کے ساتھ ثابت شدہ ہیں اور بوسنیا کے دارالحکومت ''سرائیوو'' میں اس مقصد کے لیے سرب فوجیوں کے جنگی جرائم کا جو مرکزی دفتر بنایا گیا ہے۔ اس میں یہ سارے حقائق موجود ہیں۔

حال ہی میں یہاں سے جاری ہونے والی ایک مزید دلخراش رپورٹ جاری ہوئی ہے...... اس رپورٹ کا ایک حصہ ۲۳ مئی ۲۰۰۷ء کے ہفت روزہ ''ندائے ملت'' میں انیس الرحمٰن نے شائع کیا ہے۔ اس کے مطابق بوسنیا کے ۱۲ ہزار بچوں کو اغوا کر کے یورپ کی منڈیوں میں فروخت کیا گیا...... ان میں سے ہزاروں بچے ایسے بھی ہیں جن کو چائیلڈ ایمبیسی'' نامی ایک تنظیم نے بیچا...... اس تنظیم کو ایک سرب عیسائی چلا رہا تھا۔ اس نے ماں باپ کو یہ کہہ کر بچوں کو حاصل کیا کہ وہ ان بچوں کو جنگ زدہ علاقوں سے دور محفوظ مقامات پر منتقل کر رہے ہیں...... جب جنگ ختم ہو جائے گی تو ان کے بچے انھیں واپس کر دیے جائیں گے مگر یہ بچے پھر کبھی اپنے ماں باپ تک نہ پہنچ سکے۔ ان بچوں کو یورپ کے خاندانوں اور کلیساؤں کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔

جی ہاں! جنگ مسلط کر کے قتل کرنے والے بھی صلیبی اور مسیحا کے روپ میں بچے چھیننے والے بھی صلیبی اور انھیں بیچ کر کمائی کرنے والے بھی صلیبی اور اہل توحید کے بچوں کو اہل صلیب کے بچے بنانے والے بھی صلیبی...... اے مسلمانو! تم کہاں ہو؟

❁❁❁

مجاہدین...... مسلمانوں کی مدد کو گئے
عیسائی...... ظالم سربوں کی مدد کو گئے

ایقھان کے پہاڑی سلسلے پر ایک بار مجاہدین اور سربوں کے درمیان زور کا معرکہ ہوا۔ یہ معرکہ ذرا لمبا بھی ہوا اور شدت میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ دوران معرکہ ایک منظر یوں بھی بپا ہوا کہ ایک لمبے قد والا نوجوان دشمن کی طرف سے نمودار ہوا۔ اس کی داڑھی گھنی تھی، جسم خوب موٹا تھا لیکن قد کے مطابق قدرے زیادہ موٹا تھا۔ وہ اس قدر مضبوط اور دیو ہیکل انسان تھا کہ پیکا گن جو کافی وزنی ہوتی ہے اس نے ایک دائیں ہاتھ میں اٹھا رکھی تھی اور دوسری پیکا گن بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھی تھی وہ دونوں کے ساتھ بیک وقت فائر کر رہا تھا۔ مجاہدین کی طرف فائر کرتا ہوا تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ عرب مجاہدین نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے طے کیا کہ اس کو زندہ گرفتار کرنا ہے، چنانچہ چند مجاہدین تیزی کے ساتھ دائیں بائیں پتھروں اور درختوں کی اوٹ میں چھپ گئے۔ گھات لگا کر بیٹھ رہے تا کہ وہ جونہی ان کی رینج میں آئے اس کو قابو کر لیں۔ یہ جوان اور دلیر صلیبی بھی آگے بڑھتا رہا جب چھپے ہوئے مجاہدین کے درمیان آیا تو اللہ کا ایک عرب شیر چیتے کی پھرتی سے دوڑا اور اس پر جھپٹ پڑا، باقی مجاہدین بھی اس پر جھپٹ پڑے اور اسے دبوچ لیا اب وہ زندہ گرفتار مجاہدین کے ہاتھوں میں تھا۔

مجاہدین نے یہ معرکہ جیت لیا اور سربوں کو کافی تعداد میں قتل کیا، زخمی کیا اور قیدی بھی بنایا۔ معرکے کے بعد مجاہدین اس جری صلیبی کو اپنے ٹھکانے پر لائے اور اس کی تفتیش کرنے

لگے۔ جب انھوں نے اس کے کاغذات اور پاسپورٹ دیکھا تو مجاہدین حیران رہ گئے کہ یہ سربی تو نہیں یہ تو ہنگری کا باشندہ ہے۔ اب مجاہدین نے اس سے سوال کیا کہ تیرا تعلق تو ہنگری سے ہے، یہاں کیوں آیا ہے؟

اس نے جواب دیا، اپنے عیسائی بھائیوں کی مدد کرنے کے لیے آیا ہوں۔ مجاہدین کا یہ پہلا تجربہ تھا کہ سربیا سے باہر مشرقی یورپ کے ایک ملک ہنگری کا باشندہ اپنے سرب بھائیوں کی مدد کے لیے آیا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے اور مجاہدین سے لڑنے کے لیے آیا ہے۔ ہنگری بھی روس کے بلاک میں تھا، کمیونسٹ ملک تھا، اس کے باسیوں کا جو فرقہ ہے وہ بھی آرتھوڈکس ہے، چنانچہ وہ اپنے آرتھوڈکس عیسائی بھائیوں کی مدد کو آیا تھا اور دلیری سے لڑ رہا تھا، مگر اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ عرب کتنے بڑے دلیر ہیں اور وہ اس پر جھپٹنے والے ہیں۔

آرتھوڈکس عیسائیوں کی حکومتیں تو سربیا کی مدد کر ہی رہی تھیں، روس بھی مدد کر رہا تھا، اس نے جنگ کے دنوں میں فوجی سپلائی کے لیے سربیا کو چارسو ریل کی بوگیاں دیں۔ اسلحہ اور خوراک وغیرہ بھی مہیا کی جبکہ جو صلیبی رضا کار تھے اور مجاہدین سے لڑنے کے لیے آئے تھے، اپنے صلیبی بھائیوں کی مدد کو آئے تھے۔ ان میں بلغاریہ کے صلیبی بھی تھے، قبرص سے بھی آئے اور دیگر بہت سے یورپی عیسائی ملکوں سے بھی آئے۔ یہ انکشاف اس وقت ہوا جب مختلف معرکوں میں صلیبی ملکوں کے جوان قیدی بن کر مجاہدین کے ہاتھ میں آئے۔ حتی کہ عراق میں جو عیسائی آباد ہیں وہاں سے بھی عیسائی نوجوان بوسنیا میں لڑنے کے لیے آئے۔ ان میں سے بعض گرفتار بھی ہوئے۔ بہرحال ہنگری کا جو جوان اور دلیر صلیبی تھا، مجاہدین نے اسے قتل کر دیا اور اس کی کٹی پھٹی لاش کو سربوں کے علاقے میں پھینک دیا تاکہ وہ باقیوں کے لیے عبرت کا سامان بن جائے۔

جب جہاد پھیلا اور مجاہدین سربوں کو سبق سکھانے لگے تو سربیا کی آرمی نے سیر وسیاحت کی ایک کمپنی بنائی، یہ خفیہ کمپنی تھی، اس کی شاخیں سارے یورپ میں قائم کیں، یورپ کے

دوسرے ملکوں سے جاسوس بوسنیا میں آنے لگے۔ سرائیوو شہر میں بھی آئے جو محاصرے میں تھا، یہاں وہ مسلمانوں کے ٹریننگ سنٹرز میں آئے تا کہ ان کی جنگی تیاریوں اور لڑنے کی صلاحیت کا اندازہ کریں، اس انداز سے انھوں نے مسلمانوں کو نقصان بھی پہنچایا لیکن کئی ایک پکڑے بھی گئے۔ بہرحال! انھیں یہ پتہ چل گیا کہ مجاہدین بھی مدد کو آ گئے ہیں اور مقامی لوگ بھی تیزی سے مجاہد، بن رہے ہیں۔ لڑنے کی استعداد خوب پیدا ہو چکی ہے اور یہ کہ آنے والے دن صلیبیوں کے لیے بھاری ہوتے جائیں گے۔

بوسنیا کا وسط اس کی بہترین مثال تھا، وہاں شیخ ابوعبدالعزیز معرکہ آراء تھے، جن علاقوں میں وہ ڈٹے ہوئے تھے ان میں یہ علاقے سرفہرست تھے:

① ٹراونک ② مہرج ③ اورشست ④ زینیتسیا ⑤ ملحقہ دیہات

یہاں شیخ ابوعبدالعزیز نے مجاہدین کا ایک بریگیڈ بنا ڈالا تھا، یہ عرب مجاہدین پر مشتمل تھا، انھوں نے یہاں ٹریننگ سینٹرز بھی بنائے تھے۔ ان میں مقامی بوسنویوں کو بھی تربیت دی جاتی تھی، پھر انھوں نے دونوں لشکروں کو ملا کر مسلم فورسز کے نام سے ایک لشکر بنا دیا۔ اس لشکر نے کروشیا کے خلاف بہت سارے معرکے لڑے۔ دوسری طرف بوسنیا کی مستقل آرمی بھی جہاد کی بھٹیوں سے گزر کر وجود میں آ چکی تھی۔ شیخ ابوعبدالعزیز جو مسلم فورسز کے سپریم کمانڈر تھے، انھوں نے کمال اخلاص کے ساتھ اپنی فورس کو بوسنیا کی آرمی کا حصہ بنا دیا.....

یہ حقائق جب یورپی جاسوسوں کے ذریعہ سربوں اور باقی صلیبیوں تک پہنچے تو ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں کہ یہ جہاد تو اپنی جڑیں بنا چکا، لہٰذا اگر یہ کام یونہی جاری رہا تو یورپ کا کیا بنے گا؟

اس کے ساتھ ساتھ شیخ ابوعبدالعزیز اور باقی مجاہد کمانڈروں نے یہ کام بھی کیا کہ اپنے اپنے علاقوں میں دعوتی گروپ تشکیل دیئے جن کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ بوسنیا کے شہروں اور بستیوں میں پھیل جائیں اور خالص کتاب و سنت کی غیر فرقہ وارانہ دعوت لوگوں تک

پہنچائیں۔ چنانچہ بوسنیا کے لوگوں میں کتاب وسنت کے احکام کا فہم اور تعارف نیز نبوی نماز، صحیح وضو اور روزہ وغیرہ کے مسائل سے آگاہ کیا گیا اور یہ کام اس عرق ریزی سے ہوا کہ بوسنیا کے لوگ اپنے دین سے واقف ہونے لگے۔ ان سرگرمیوں نے بھی یورپ کے حکمرانوں میں تشویش کی لہر پیدا کر دی۔

بدمعاش فوجی نے اس کے شیر خوار بچے کو ذبح کر دیا

بوسنیا میں اسلام کی مظلوم بیٹی اپنے پر سرب صلیبی درندوں کے بیتے مظالم کی داستان یوں رقم کرتی ہے!

میرے مجاہد بھائیو!

میں یہ خط آپ کو لکھ رہی ہوں اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی سیاہی کے ساتھ اور اس غم اور دکھ کے ساتھ کہ جس نے میرے دل کو نچوڑا ہے۔ اس نچڑے ہوئے دکھ کو الفاظ کا جامہ پہنا کر تمہاری طرف روانہ کر رہی ہوں...... میں یہ سطور لکھنے کے قابل اس لیے ہوئی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اب مجھے سرب دشمنوں سے نجات دی ہے۔ قید کے دکھوں سے جان چھوٹی ہے۔

میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں جبکہ اس وقت بھی ہزاروں مسلمان عورتیں سربی جلاد کی جلائی ہوئی آگ کے نیچے جل رہی ہیں...... اے اسلام کے محافظو! مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں اپنی داستان کہاں سے شروع کروں...... تاہم میں اب آغاز کرتی ہوں۔

مجھے میرے گاؤں کے لوگوں کے ہمراہ اس وقت قید کیا گیا جب سرب فوجی گاؤں کی ہر سمت سے داخل ہوئے وہ مردوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کرتے جا رہے تھے۔ عورتوں کو گندی غلیظ گالیاں دیئے چلے جا رہے تھے...... آہ! میں کیا بتلاؤں، زندگی میں بے شمار بیتنے والی راتوں میں یہ رات کس قدر اندھیر اور کالی تھی۔

سرب فوجی جو انواع و اقسام کی ضربیں ہمیں لگا رہے تھے، میں کس کس ضرب اور مار کا

ذکر کروں، اس کے ساتھ ساتھ انتہائی گندے الفاظ...... یہ ضربیں اور الفاظ ان کی گندی نیتوں اور غلیظ عزائم کا صاف پتہ دے رہے تھے کہ اس کے بعد وہ کیا کیا کرنے والے ہیں...... وہ اب تمام مسلمان عورتوں حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو اکٹھا کر کے ہانک رہے تھے آخرکار وہ ایک ایسی جگہ پر لے آئے جہاں ان کی بہت بڑی چھاؤنی تھی۔ انھوں نے ہمیں اس کے اندر ہانک دیا۔ جونہی رات گزری تو فجر ہوتے ہی ہمیں جگا دیا گیا اور ہم سے نصف کو فوجی ٹرکوں پر سوار کر دیا گیا۔ یہ ٹرک ہمیں لے کر محاذ جنگ پر پہنچ گئے۔ جہاں ہمیں سرب فوجیوں کے لیے خندقیں کھودنے پر لگا دیا گیا۔ ہم سے درخت کٹوائے گئے۔ لکڑیاں جمع کروائی گئیں، دور دراز جگہوں سے ہمیں پانی اٹھا کر لانا پڑا، جب رات چھانے لگی تو اب ہمیں دوبارہ ٹرکوں میں بھر کر چھاؤنی میں واپس لایا گیا...... اے کاش!

ظلم یہیں تک محدود رہتا لیکن وہ تو حدیں پھلانگتا چلا گیا...... ایک سرب صلیبی فوجی افسر ہمارے درمیان گیا اور مسلمان عورتوں کا انتخاب کرنے لگا جن کو منتخب کر لیا گیا۔ ان کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ اب ہمیں ایک بڑے جرنیل کی محفل میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا، وہاں فوجی افسروں نے شراب کی بوتلیں پینا شروع کر دیں اور پھر یہ وحشی ہم پر جھپٹنا شروع ہو گئے...... ایک ایک مسلمان لڑکی کی عزت کو کئی کئی درندوں نے نوچا...... اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کو بھی گالیاں دے رہے تھے اور مسلمانوں کے خلاف بھی بکواس کر رہے تھے۔

میرے مجاہد بھائیو! مجھے معاف کر دو، مجھ میں اب ہمت نہیں کہ میں اس غلیظ داستان کو مکمل کروں، میں خط اس لیے لکھ رہی ہوں کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگ سرب صلیبی درندوں کے خلاف بڑے بڑے معرکے لڑ رہے ہو...... میں تمھیں قسم دیتی ہوں اور اللہ کے نام پر گزارش کرتی ہوں کہ ان سرب مجرموں سے ہمارا حق ضرور وصول کرنا، ہمارا انتقام ان سے ضرور لینا۔

ایک دوسری مسلمان عورت کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو...... یہ اقتباس پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ مکمل خط کس قدر خوفناک اور ہولناک ہو گا؟

سرب صلیبیوں نے جب جنگ کا آغاز کیا تو بالکل ابتداء میں وہ سرائیوو شہر میں گھسے...... وہاں سے انھوں نے مسلمان لڑکیوں کو جمع کیا، ان کی عمریں پندرہ سے پچیس سال تھیں...... ان لڑکیوں کو ورزش کے ایک بہت بڑے ہال میں بند کر دیا گیا...... وہاں چیخنے چلانے لگیں تو چار فوجی افسر اس ہال میں داخل ہوئے ایک افسر یوں بلند آواز سے چلانے لگا:

''بوسنیا سے اسلام کی جڑوں کو اکھاڑ دیا جائے گا، لہٰذا یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ تمھارے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں، یہ عیسائیوں کا ملک ہے اور عیسائیوں ہی کا رہے گا''۔

اس کے بعد ایک درندہ افسر آگے بڑھا اور ایک مسلمان خاتون کو پکڑ لیا...... اور سینکڑوں مسلمان قیدی عورتوں کے سامنے اس کے کپڑے پھاڑنے لگ گیا۔ ایک دوسرا درندہ بھی اس کے ساتھ معاون بن گیا...... اس خاتون کے پاس دو ماہ کا بچہ بھی تھا۔ وہ فرش پر گر گیا، ان میں سے ایک خنزیر درندے نے مظلوم بہن کی عزت کو تار تار کر دیا...... بچہ جو فرش پہ روئے جا رہا تھا، دوسرے درندے نے انتہائی کرختگی کے ساتھ معصوم شیر خوار کے سر کی چوٹی سے پکڑا اور خنجر کے ساتھ بچے کا سر جسم سے الگ کر دیا پھر اس سر کو زور سے فرش پر پٹخ دیا، جس سے بچے کے سر کا بھیجا فرش پہ چھینٹوں کی صورت میں بکھر گیا...... معصوم بچے کی ماں یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی اور ہم ساری قیدی عورتیں بھی دیکھ رہی تھیں لیکن سوائے رونے اور چیخنے کے کچھ بھی نہ ہو سکتا تھا...... اس کے بعد ان ظالم درندوں نے اس مسکین ماں کی دونوں چھاتیاں خنجر سے کاٹ دیں، پھر خنجر کی نوک سے اس کی دونوں آنکھیں نکال دیں، اب اس ہماری بہن کو تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا...... خون بہ رہا تھا، وہ تڑپ رہی تھی حتیٰ کہ اس نے جان دے دی...... اس کے بعد ایک سربی بدمعاش فوجی ہماری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا!

''ہم تم سب سے اسی طرح ہی کریں گے۔''

یاد رہے! اس واقعہ کی ویڈیو کیسٹ بھی ان ظالموں نے بنائی...... اس کی ایک کاپی ایک بوسنوی مسلمان کے ہاتھوں میں آ گئی، یہ اب ریکارڈ کے طور پر سرائیوو کے ''جنگی جرائم کے مرکز'' میں موجود ہے۔

قارئین کرام! بے شمار واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ سرب درندے مسلمانوں کے ایک گھر میں داخل ہوئے۔ گھر میں میاں بیوی تھے اور ان کا ایک چھوٹا بچہ تھا خاتون کھانا تیار کر رہی تھی۔ ان ظالموں نے عورت کے سامنے اس کے خاوند اور بچے کو ذبح کیا۔ کھال اتاری، گوشت بنایا اور خاتون کو حکم دیا کہ اس کھانے کی بجائے یہ کھانا تیار کر۔

اسی طرح یہ درندے زافڈ وفیٹش کے علاقے میں ایک گاؤں پر دھاوا بولنے کے لیے جا دھمکے...... وہاں ایک گھر میں ایک سرب فوجی افسر اپنے دیگر درندوں کے ہمراہ داخل ہوا۔ اس گھر میں ایک مسلمان خاتون تھی اور اس کی بیٹی تھی، فوجی درندہ اس خاتون سے کہنے لگا!

بتلا! تیری اس بچی کو قتل کروں یا تیری عزت برباد کروں؟

مظلوم مسلمان خاتون ساکت و جامد ہو گئی، اب اس سربی بدمعاش نے اس مظلوم مسلمان خاتون کی عزت کو تار تار کیا اور پھر اس کی بچی کو اس کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ایک واقعہ اس طرح ہے کہ یہ درندے ایک روز ''سمیز وفائش'' کے گاؤں میں داخل ہوئے۔ یہ گاؤں دارالحکومت ''سرائیوو'' کے مضافات میں ہے۔ یہ درندے مختلف گھروں میں جہاں درندگی کا ارتکاب کر رہے تھے وہیں وہ امام مسجد کے گھر بھی جا دھمکے۔ امام مسجد کو ان درندوں نے حکم دیا کہ وہ قرآن پر تھوکے۔ امام مسجد نے انکار کر دیا۔ سرب درندوں نے امام مسجد پر تشدد کیا مگر امام مسجد نے ان کے غلیظ مطالبے کو نہیں مانا...... آخر کار سربوں نے امام مسجد کو شہید کر دیا اس کی بیوی اور بچوں کو بھی شہید کر دیا...... پھر انھیں مسجد میں پھینکا اور مسجد کو آگ لگا دی...... اور قرآن کو اٹھا کر خنزیروں کے باڑے میں پھینک دیا۔

قارئین کرام! ان چند واقعات سے اندازہ لگا لیں کہ سارے بوسنیا میں ظلم وستم کے پہاڑ اسی طرح شہر شہر، بستی بستی اور گھر گھر توڑے گئے...... بوسنیا میں جو مسلمانوں کا محض نام تھا، وہ اس نام کو بھی مٹا دینا چاہتے تھے...... مگر یہ نام مٹ نہ سکا، نا صرف یہ کہ مٹ نہ سکا بلکہ بوسنیا میں اسلام کا از سر نو احیا ہوا۔

❀❀❀

پہلی بار داڑھی شہید ہوئی دوسری بار جسم

محمد احسن مدنی ...... مدینہ منورہ کا رہنے والا جوان ہے۔ اس کا نسب اللہ کے رسولؐ کے آل بیت، سے ملتا ہے۔ انتہائی نرم دل اور ملائم طبیعت کے حامل اس نوجوان کے لیے ماں باپ نے مدینہ کی ایک دیندار لڑکی کا انتخاب کیا۔ منگنی بھی کر دی گئی۔ ماں باپ خوش تھے کہ ہمارا بیٹا افغانستان میں جہاد کر کے غازی بن کر لوٹ آیا ہے۔ اب اس کو دولہا بنائیں گے۔ تیاریاں جاری تھیں کہ بوسنیا میں جہاد و قتال کی آوازیں محمد حسن مدنی کے کانوں سے ٹکرائیں لہٰذا وہ بوسنیا کی طرف عازم سفر ہوا کہ وہاں سے واپسی ہوگی تو پھر شادی بھی ہوگی۔ (ان شا اللہ)

بوسنیا میں جانے کے لیے محمد حسن کروشیا میں پہنچا۔ اس لیے کہ راستہ یہیں سے ہو کر جاتا تھا۔ محمد حسن جب میکٹوفیٹش کے شہر سے بس پر سوار ہو کر بوسنیا کی طرف جانے لگا تو یہاں کے کروشیائی صلیبیوں نے اسے زبردستی بس سے اتار لیا اور پیٹنا شروع کر دیا۔ پھر جیل میں ڈال دیا اور وہاں یہ ظلم کیا کہ محمد حسن کی داڑھی کو مونڈھ ڈالا۔ محمد حسن کے پاس جو سامان اور نقدی وغیرہ تھی اسے بھی اپنے پاس رکھ لیا۔ محمد حسن کو مال چھن جانے کا تو کوئی افسوس نہ تھا، داڑھی کی شہادت کا از احد افسوس تھا کہ اس کی شہادت سے پہلے داڑھی بازی لے گئی۔

کئی دن قید میں گزارنے کے بعد آخر کار محمد حسن کو رہائی مل گئی اور وہ یوں ملی کہ کروشیا کے صلیبیوں نے زغرب کے ہوائی اڈے پر محمد حسن کو جہاز پر بٹھایا اور ملک سے نکال دیا۔ محمد حسن واپس جا کر پھر بوسنیا جانے کی کوششوں میں لگ گیا اور بالآخر وہ بوسنیا جا ہی پہنچا۔

وہاں وہ ٹراونک کے شہر میں گیا۔ بہت سارے معرکے لڑے اور بالآخر لڑتے لڑتے شدید زخمی ہوگیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا تو اس کی زبان پر یا رب یا رب یا رب کی پکار اور تکرار تھی۔ آخر اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا اور مسکراتا ہوا اس دنیا کو چھوڑ گیا۔ دنیا کی دلہن کی بجائے وہ جنت میں حوروں کے جھرمٹ میں جا پہنچا۔ (ان شاء اللہ)

یہ مصر کا رہنے والا ابو ثابت المہاجر ہے۔ اللہ کا یہ شیر افغانستان میں برسرپیکار رہا۔ جب کابل فتح ہوا تو یہ وہاں سے نکلا اور یورپ کے مسلمان ملک البانیہ میں جا پہنچا۔ البانیہ کمیونسٹ ملک تھا جب کمیونسٹوں کے سردار روس کو افغانستان میں شکست ہوئی تو یہ ملک بھی کمیونزم کے آہنی پردوں سے ذرا آزاد ہوا۔ وہاں عربوں کی رفاہی تنظیم کے ذمہ دار کی حیثیت سے ابو ثابت بھی وہاں کام کرنے لگ گیا۔ اس نے ایک البانوی لڑکی سے شادی بھی کر لی اور یوں وہاں خوش وخرم زندگی گزارنے لگا۔ یوں بوسنوی زبان کا بھی وہ ماہر بن گیا اور دعوت دین میں آسانی پیدا ہوگئی...... وہ دعوتی اور خدمت خلق کے کاموں میں مصروف تھا کہ بوسنیا کا جہاد شروع ہوگیا، چنانچہ وہ اپنی بیوی اور اس سے ہونے والی بیٹی کو الوداع کہہ کر جہاد کے لیے روانہ ہوگیا۔

بوسنیا میں جہاد کے دوران ابو ثابت کی ثابت قدمی اور جرأت و دلیری کا ایک انوکھا واقعہ وجود میں آیا کہ ایک عرب مجاہد اپنے بوسنوی مجاہد ساتھی کے ساتھ راستہ بھول گیا اور وہ سربوں کے مورچے پر جا پہنچے۔ وہاں ایک داڑھی والا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ مجاہدوں نے جب اسے دیکھا تو سمجھے کہ شاید یہ مجاہد ہے لہٰذا وہ مورچے میں داخل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی اس داڑھی والے آدمی اور اس کے دوسرے سرب ساتھیوں نے مجاہد پر فائرنگ شروع کر دی اور گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ عرب مجاہد تو وہیں شہید ہو گیا جبکہ بوسنوی مجاہد نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا اور بھاگتا ہوا کچھ دیر بعد ابو ثابت کے پاس آ پہنچا اور واقعہ سے آگاہ کیا۔ ابو ثابت واقعہ سنتے ہی آگ بگولہ ہوگیا۔ اس نے فوراً اسی بوسنوی مجاہد کو اپنے ساتھ لیا۔ دیگر

مجاہدوں کو بھی ہمراہ لیا اور اسی مورچے کی طرف جو خندق نما تھا اور بہت بڑا تھا، چل دیا۔ جب اس مورچے کے قریب پہنچے تو بوسنوی ساتھی نے اشارہ کر کے بتلایا کہ وہ داڑھی والا جو سربی ہے اس نے ہمارے ساتھی کو شہید کیا ہے۔

ابو ثابت اور اس کے ساتھی اوٹ میں کھڑے تھے۔ اب ابو ثابت چیتے کی پھرتی سے لپکا۔ باقی مجاہد بھی اوپر سے پہنچ گئے ابو ثابت نے اسے پکڑا اور خنجر سے چیڑ پھاڑ کر رکھ دیا۔ پھر اس کا سرتن سے جدا کیا اور اسے لہراتے ہوئے کامیابی سے واپس آ گیا بعد میں پتہ چلا کہ یہ داڑھی والا شخص سرب صلیبوں کا عالم تھا۔ اس عیسائی عالم کے سر کو ابو ثابت نے جب مجاہدین کے درمیان رکھا تو سارے مجاہد، ابو ثابت کی ثابت قدمی اور حکمت عملی کو ملاحظہ کر کے خوشی سے نہال ہوتے جا رہے تھے۔

ابو ثابت اسی طرح لڑتے رہے حتیٰ کہ ایک بار توپ کا گولہ انھیں لگا جس کا پارچہ دل میں پیوست ہو گیا اور ابو ثابت اپنے اللہ کے پاس جا پہنچے۔ اللہ کے یہ عرب شیر کس قدر بہادر اور دلیر تھے۔ اس کا اندازہ لیبیا سے یہاں پہنچنے والے عرب مجاہد ابو عبد اللہ کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بار وائرلیس پر بطور کمانڈر مجاہدین کو ہدایات دے رہے تھے کہ درمیان میں ایک سرب فوجی داخل ہوا اور مجاہدین کو غلیظ گالیاں دینے لگا۔ ابو عبد اللہ لیبی نے کہا، گالیاں دینے کا کیا فائدہ؟ مجھے بتلا تو ہے کہاں؟ میں تیرے پاس پہنچتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں تو کتنا بڑا سورما ہے یہ سنتے ہی وہ چپ ہو گیا اور پھر چپ ہی رہا، ابو عبد اللہ بھی لڑتا ہوا رب کے راستے میں اس طرح شہید ہوا کہ ایک گولی آئی اور سیدھی سر میں پیوست ہو گئی اللہ کا شیر اپنے رب کے پاس فردوس میں جا پہنچا۔ (ان شاء اللہ)

❀❀❀

جہاز اس کے انتظار میں زمین پر کھڑا تھا......مگر وہ آسمان کی جانب پرواز کر گیا

کویت کا رہنے والا یہ ابوعلی المطیری ہے ثانوی تعلیم کے بعد اس نے کویتی فوج میں کمیشن لیا...... اور ترقی کرتے ہوئے کیپٹن بن گیا...... شادی بھی کر لی، اللہ نے ابوعلی کو بیٹوں کی نعمت سے بھی مالا مال کر دیا...... وہ اب کویتی فوج میں کرنل کے عہدے پر پہنچ گیا تھا...... اس دوران عراقی صدر صدام حسین نے کویت پر حملہ کر دیا۔ کویت کے فوجی قیدی بن کر عراق میں جا پہنچے، ابوعلی بھی ان قیدیوں میں شامل تھا، ابوعلی کو بغداد کی ایک جیل میں رکھا گیا تھا۔ وہاں صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرتا رہا۔ آٹھ ماہ تک وہ جیل میں رہا...... پھر امریکہ نے عراق پر حملہ کیا۔ بغداد پر بمباری ہوئی تو وہ جیل بھی بمباری کی زد میں آ گئی جس میں دیگر کویتیوں کے ساتھ کرنل ابوعلی المطیری بھی قیدی تھا۔ جیل ٹوٹ گئی اور یوں قیدی رہا ہو گئے، وہ بھاگ اٹھے حتیٰ کہ اپنے وطن کویت میں پہنچ گئے۔

کویت میں ان سارے لوگوں کا بڑا زبردست اور والہانہ استقبال ہوا۔ ابوعلی اپنے گھر میں اپنی بیوی اور بچوں کے پاس پہنچا تو خوشی و مسرت کا عجب منظر تھا...... اب ابوعلی کے روابط مجاہدین سے بن گئے ابومعاذ کویتی اور دیگر مجاہدین اس کے دوست بن گئے۔ اس دوستی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابوعلی کے دل میں شہادت کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔ یوں کرنل ابوعلی ﷬ مجاہد دوست ابومعاذ کویتی جب بوسنیا میں جہاد کے لیے چلے گئے تو اب کرنل ابوعلی نے بھی

بوسنیا جانے کا فیصلہ کر لیا...... اور پھر تھوڑے عرصہ بعد ابو علی نے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنا دیا اور کرنل صاحب بوسنیا جا پہنچے۔ وہاں پہنچ کر جہادی معرکوں میں شامل ہو گئے۔

کرنل ابو علی کی قسمت میں ایک بار پھر قید لکھی تھی۔ ہوا یہ کہ بعض مجاہدوں نے کرنل صاحب سے کہا کہ زینیشیا کے جہادی میدان میں چلیں اور بعض نے کرنل صاحب کو ''مرج'' کے محاذ پر جانے کا مشورہ دیا۔ کرنل صاحب نے ''مرج'' کے محاذ پر جانے کو پسند کیا۔ جب وہ مرج کی طرف جا رہے تھے تو راستہ بھول گئے اور سارے مجاہدین جو مرج جا رہے تھے کروشیا کے صلیبی فوجیوں کی قید میں چلے گئے دوران قید صلیبی فوجی قیدیوں کو خوب مارتے پیٹتے رہے حتیٰ کہ وہ اس قدر شدت سے مارتے اور ظلم کرتے کہ قیدیوں کی چیخیں نکل جاتیں لیکن کرنل ابو علی ایسے ثابت قدم اور صابر تھے کہ وہ معمولی سی آواز بھی نہ نکالتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ کرنل صاحب کو وہ زیادہ مارتے وہ جس قدر بھی زیادہ مارتے کرنل صاحب کی زبان اف تک نہ کہتی۔

کروشیا کے صلیبی اس قدر ظالم تھے کہ وہ سارے دن میں ایک گلاس پانی دیتے۔ ابو علی اس گلاس کو محفوظ کر لیتے اس سے ایک دو گھونٹ بھرتے اور باقی کو وضو کے لیے بچا کر رکھ لیتے۔ دن میں ایک بار کھانا دیا جاتا۔ اس کھانے میں خشک روٹی کا ایک ٹکڑا دیا جاتا، تھوڑا سا گھی اور پانی کا ایک گلاس...... کرنل صاحب اس کھانے کو اپنی سحری کے لیے بچا کر رکھ لیتے۔ وہ جیل میں ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، رات کو لمبا قیام کرتے ہوئے تہجد کی نماز ادا کرتے۔

کروشیا کے ظالم صلیبی فوجیوں نے کئی قیدیوں کو تشدد اور تعذیب دے دے کر شہید کر دیا...... تعذیب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جب کروشین فوجیوں کا مجاہدین سے مقابلہ ہوتا تو قیدی مجاہدین کو وہ جیل سے نکالتے۔ خندقیں ان سے کھدواتے اور نقل وحمل کا سامان مجاہدین کے ہاتھوں سے محاذوں پر پہنچاتے، بیس آدمیوں کا کام چھ سات مجاہدین سے لیتے ادھر قیدی

مجاہدوں کے ساتھی بھی بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے مسلسل محنتوں کے ذریعہ قیدیوں کے ٹھکانے اور جیل توڑ کر ان کو چھڑانے کا پروگرام بنایا...... مجاہدین اپنے اس پروگرام میں کامیاب ہو گئے اور کروشیا کے صلیبی قید خانے سے مجاہدین آزاد ہو گئے۔ کرنل ابو علی دوسری بار جیل سے رہا ہو چکے تھے...... اب وہ اپنے ساتھیوں سے مل کر جہاد وقتال میں مصروف تھے۔

کویتی شہری جہاں بھی ہوں کویت کی حکومت ان کے بارے میں بڑی حساس ہے۔ ذمہ دار حکومتوں کا طرز عمل ایسا ہی ہونا چاہیے چنانچہ کویت کی حکومت کو جب معلوم ہوا کہ اس کے پانچ شہری بوسنیا میں ہیں تو کویت کی حکومت نے اپنے ان شہریوں کو کویت میں لانے کے لیے خصوصی طیارہ بوسنیا روانہ کیا۔ یہ طیارہ اقوام متحدہ کے پرچم تلے ''سپلٹ'' کے ہوائی اڈے پر اترا اور کھڑا رہا تاکہ بوسنیا میں پھیلے پانچ کویتی جمع ہو کر یہاں آ جائیں۔ پانچوں کویتی مجاہد بوسنیا کے دارالحکومت سرائیوو کے ہوائی اڈے پر پہنچے۔ یہاں یو این او کا طیارہ کھڑا تھا۔ اس نے ''سپلٹ'' کے ہوائی اڈے تک جانا تھا اور وہاں سے پانچوں کویتیوں نے کویت روانہ ہونا تھا۔ پانچوں کویتی مجاہد جب سرائیوو کے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے تو وہاں کرنل ابو علی نے یو این او کے جہاز پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے ساتھیوں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہنے لگا آپ لوگ گھروں میں جائیں میں تو یہاں سے اپنے رب کے پاس جاؤں گا۔ میں یہاں آیا تھا شہادت لینے، شہادت کے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گا...... ساتھیوں نے بہت سمجھایا کہ ایک بار تو جاؤ، بیوی سے مل لو، بچوں سے ملاقات کر لو، پھر آ جانا...... لیکن کرنل ابو علی ڈٹ گئے اور صاف انکار کر دیا۔ ساتھیوں کی کوششیں ناکام ہو گئیں حتیٰ کہ وہ طیارے پر سوار ہو کر سپلٹ اور وہاں سے کویت روانہ ہو گئے جبکہ کرنل ابو علی زینیسیا کے محاذ پر پہنچ گئے۔ وہ وہاں برسرپیکار ہو گئے...... آخر کار ایک دن ایسا آیا کہ دشمن کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگ پر کرنل ابو علی کا پاؤں آ گیا۔ بارودی سرنگ پھٹی اور کرنل صاحب کی روح آسمان کی طرف پرواز کر

گئی۔ اللہ نے ان کی خواہش کو پورا کر دیا..... وہ دنیا کے طیاروں کی بجائے اللہ کے طیارے میں سوار ہو کر آسمانوں کی طرف جا نکلے۔ (ان شاء اللہ) جنت کی پروازوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

❀❀❀

جب ہالینڈ اور روس کی ماؤں کے بیٹے مجاہد بنے!

متحدہ عرب امارات کی ریاست شارجہ کا ایک عرب جوان اپنے کاروبار اور سیر و سیاحت کے سلسلہ میں یورپ جایا کرتا تھا۔ یورپ کا ملک ہالینڈ اس کا پسندیدہ تھا، ہالینڈ میں اس نے ایک مقامی گوری خاتون سے شادی کر لی۔ اس خاتون کو اللہ نے بیٹا عطا کیا۔ خاتون بدستور عیسائی تھی اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس کے بعد دونوں میاں بیوی میں ان بن ہو گئی اور نوبت طلاق تک جا پہنچی۔ قانون کے مطابق بچہ ماں کے حصے میں آیا چنانچہ بچے کا باپ اب جب بھی ہالینڈ جاتا تو اپنے بچے سے ملاقات کرتا اور واپس آ جاتا۔

اللہ کی قدرت...... کہ شارجہ کے اس جوان کا...... شارجہ میں ہی جو پڑوسی تھا، اس کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح کا تھا، اس کا آنا جانا روس میں تھا، روس میں اس نے ایک گوری روسن لڑکی سے شادی کر لی، اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا، خاتون اپنے مذہب عیسائیت پر ہی تھی جب بیٹا پیدا ہوا تو دونوں میں جھگڑا ہوا اور طلاق ہو گئی۔ بیٹا روسی عورت کے پاس رہ گیا۔ شارجہ کا جوان روس میں اپنے بیٹے سے ملاقات کرنے جاتا اور واپس آ جاتا۔

یاسر کا بیٹا ہالینڈ میں اب چودہ سال کا ہو چکا تھا۔ یاسر بہت امیر آدمی تھا وہ ہالینڈ میں جاتا اور اپنے بیٹے کی ہر خواہش کو پورا کرتا...... اسی طرح اس کا پڑوسی بھی روس میں اپنے بیٹے کے ساتھ یہی رویہ رکھے ہوئے تھا...... ایک دن دونوں نے مشورہ کیا کہ ہمارے بچے اب جوان ہو رہے ہیں۔ ہم دیکھ بھال تو پوری کر رہے ہیں لیکن اس معاشرے میں کیا پتہ کہ وہ عیسائی ہی بن جائیں جبکہ ان کی مائیں بھی عیسائی ہیں۔ کیوں نا ایسا کیا جائے کہ ہم دونوں

اپنے اپنے بیٹوں کے پاس جائیں۔ ان کی ماؤں سے ازسرنو نکاح کریں اور ماؤں سمیت بیٹوں کو یہاں شارجہ میں لے آئیں۔ چنانچہ دونوں نے یہ پروگرام بنایا اور دونوں نے ہی اپنی سابقہ بیویوں کو راضی کر کے ان کے ساتھ نکاح کیا اور بیٹوں سمیت ان کو شارجہ میں لا بسایا۔

دونوں ہی بڑے امیر کبیر عرب تھے، یاسر تو اس قدر امیر آدمی تھا کہ اس نے اپنے بیٹے ابو یاسر کو قیمتی ترین نئی گاڑی لے کر دی، روزانہ کا خرچہ ایک ہزار درہم مقرر کر دیا۔ دوسرے روسی بیٹے کو بھی یہی سہولتیں حاصل تھیں۔ دونوں کو عربی زبان کی تعلیم کے سکول میں داخل بھی کر دیا گیا..... دونوں نے یہ تعلیم مکمل کر لی، اب وہ عبائیں پہنے عرب نوجوان بن گئے مگر ان کی مائیں بدستور عیسائی تھیں۔

روس سے آیا جوان اپنے ساتھی اور دوست ابو یاسر سے اکثر روس کا ذکر کرتا کہ وہ امریکہ سے زیادہ طاقتور اور سپر پاور ہے اور یہ کہ وہاں کس طرح عیش کی زندگی ہے وغیرہ وغیرہ ابو یاسر کے ہاتھ ایک دن ایک کتاب لگی جسے کسی روسی صحافی نے لکھا تھا۔ اس نے تفصیل کے ساتھ بتلایا تھا کہ روس جو افغانستان میں لڑ رہا ہے وہاں اس کا سامنا ایسی افغان قوم سے پڑا ہے جو بڑی دلیر اور بہادر قوم ہے۔ وہ قربانیاں دے رہی ہے اور ان قربانیوں کے پیچھے ان کا مضبوط عقیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شہادت پائیں گے تو سیدھے جنت میں جائیں گے وہاں اللہ ان سے محبت کرے گا۔ وہ جنت کے محلات میں رہیں گے جہاں ان کے لیے 72 خوبصورت عورتیں ہوں گی اور ہر ایک نعمت ہو گی ..... اس عقیدے کی وجہ سے وہ لوگ بہت دلیر ہیں۔ مرنے سے محبت کرتے ہیں اور اس وجہ سے روس کی فوج وہاں مشکلات میں گھر گئی ہے۔

ابو یاسر نے یہ کتاب پڑھی تو اپنے روسی دوست کو دی کہ تم روس کی بڑی تعریفیں کرتے ہو، یہ کتاب پڑھو اس کا حال کیا ہو رہا ہے؟..... روسی نوجوان نے کتاب پڑھی تو بڑا حیران

ہوا۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ افغانستان اور افغان قوم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری ہے چنانچہ دونوں نکل کھڑے ہوئے اور معلومات لیتے ہوئے دبئی میں گلبدین حکمتیار کے دفتر میں جا پہنچے۔ وہاں انھوں نے جہاد پر مجلّات اور دیگر بہت سارا لٹریچر لیا اور واپس گھر آ گئے۔

اس لٹریچر کو دونوں نے بڑے شغف اور انہماک سے پڑھنا شروع کر دیا...... اور نتیجہ یہ نکلا کہ حکمتیار کے دفتر میں وہ آنے جانے لگ گئے اور مجاہدین کو کیا کیا کامیابیاں مل رہی ہیں۔ کون کون شہید ہو رہے ہیں۔ ان کی داستانیں، یہ سارا کچھ تازہ بتازہ حاصل کرنے کے لیے وہ جناب حکمتیار کی جہادی جماعت حزب اسلامی کے دفتر میں اکثر جاتے اور تازہ معلومات سے فیض یاب ہوتے۔ آخر کار ایک دن دونوں نے فیصلہ کیا کہ وہ افغانستان جائیں وہاں جا کر اپنے مجاہد بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑیں اور ان کی مدد کریں چنانچہ دونوں نے اپنا سامان باندھا، جہاز میں بیٹھے اور پشاور میں آن اترے۔

بیت الانصار میں عربوں نے ان کا استقبال کیا اور وہاں سے انھیں ٹریننگ سنٹر ''معسکر فاروق'' میں بھیج دیا گیا۔ ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد وہ جلال آباد کے محاذ پر لڑنے کے لیے جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ جہاد کی زندگی کس قدر بڑی نعمت ہے اور وہ نعمتیں جو وہ اپنے پیچھے شارجہ میں چھوڑ آئے ہیں وہ جہاد کے میدان کی نعمت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

دونوں کے باپ دوبارہ غمناک اور دکھی ہو گئے۔ پہلے وہ دونوں کی جدائی پر اس لیے دکھی تھے کہ اس قدر دور جا کر انھیں ملاقات کرنا پڑتی تھی...... اور اب پھر جدائی کے دکھ اور غم نے ان کو گھیرا ڈالا تھا چنانچہ دونوں نے پاکستان کا ویزہ لیا اور بیٹوں کو واپس لانے کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے بیٹوں کے پاس پہنچے اور ان کے ترلے منتیں اور سماجتیں کرتے ہوئے انھیں واپس شارجہ لے آئے۔

دونوں بیٹے جب واپس آئے تو دونوں نے پہلا کام جو شروع کیا وہ یہ تھا کہ اپنی اپنی ماؤں کو مسلمان بنائیں چنانچہ دونوں نے اللہ کی توفیق سے دعوت کا یہ معرکہ سر کر لیا اور دونوں ہی مسلمان ہو گئیں۔ اب یہ دونوں گھرانے جو پہلے دنیا دار بھی تھے اور ان گھرانوں میں دنیا دار مسلمانوں اور دنیا دار عیسائیوں کا امتزاج اور ملغوبہ بھی تھا۔ وہ گھرانے اب خالص مسلمان اور دیندار بن چکے تھے۔

وقت یونہی گزرتا رہا...... روس شکست کھا کر افغانستان سے بھاگ نکلا...... اور ایک دوسرا محاذ بوسنیا کا کھل گیا۔ ابو یاسر کو جب بوسنیا کے حالات معلوم ہوئے تو اس نے بوسنیا جانے اور وہاں جہاد کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ ابو یاسر نے اپنے دوست سے کہا کہ آؤ اکٹھے بوسنیا چلیں۔ دوست نے جو کاروبار میں مشغول تھا، کہا کہ وہ کچھ وقت ٹھہر جائے تو پھر وہ بھی اس کے ساتھ چلا جائے گا...... مگر ابو یاسر تو فوراً جانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنا سامان باندھا اور بوسنیا جا پہنچا۔ بوسنیا پہنچانے میں عباس الخولانی اور ابو علی البحرینی نے اپنا کردار ادا کیا...... یہ دونوں بھی بوسنیا میں شہید ہو چکے ہیں۔

ابو یاسر جو ہالینڈ کی رہنے والی ماں کا اکلوتا اور محبوب ترین بیٹا تھا اپنے باپ یاسر کے دل کا ٹکڑا تھا۔ انتہائی خوبصورت تھا...... وہیں وہ سیرت و کردار کا بھی انتہائی خوبصورت تھا، وہ اپنے مجاہد بھائیوں کی خدمت میں پیش پیش رہتا۔ عاجزی اور انکساری کا پیکر تھا۔ سرب اور کروشین عیسائیوں کے خلاف اس نے کئی معرکے لڑے اور کتنے ہی صلیبیوں کو واصل جہنم کیا۔ حتیٰ کہ وہ دن بھی آ گیا جس کے انتظار میں وہ یہاں پہنچا تھا۔ یہ شہادت کا دن تھا۔

زفیدوفیٹش کے محاذ پر معرکہ گرم ہوا۔ سرب صلیبی بمباری کر رہے تھے، بوسنیا کی فوج کے مجاہدین نے اپنے شہر کے دفاع کے لیے پہاڑی چوٹیوں پر قبضہ کر لیا۔ عرب مجاہدین جو کئی مجموعوں کی شکل میں بٹ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک مجموعہ جس میں ابو یاسر، عباس الخولانی اور ابو علی البحرینی تینوں دوست تھے وہ دلیری اور بہادری سے آگے بڑھے اور

لڑتے ہوئے سربوں سے پہاڑ کی ایک چوٹی چھین لی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن وہاں تھوڑے فاصلے پر ایک خندق بھی تھی جو سربوں نے کھود رکھی تھی۔ عباس الخولانی وہاں پہنچے اور خندق میں موجود سربی کو قتل کر دیا...... سربوں کی گولیوں نے عباس الخولانی کو شہید کر دیا...... اس دوران ٹینک کا ایک گولہ آیا اس کے پارچے ابوعلی البحرینی کے سر میں لگے اور وہ وہیں شہید ہو گئے...... دوسری جانب سے ہاون کا ایک گولہ آیا اور ابو یاسر کو لگا ابو یاسر وہیں اللہ سے جا ملے...... یوں تینوں دوست جو اکٹھے بوسنیا میں داخل ہوئے، اکٹھے ہی لڑے اور اکٹھے ہی اپنے اللہ سے جا ملے۔ وہ اپنی مراد پا گئے، شہادت پا کر اپنے رب کا دیدار کرتے ہوں گے، جنت کے مزے اڑاتے ہوں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

فرانس کے گورے نے اسلام قبول کیا، یہود سے لڑنے لبنان گیا...... پھر بوسنیا اور آخر کار اریٹریا میں شہید ہوا

یہ نوجوان فرانس کا رہنے والا ہے، اس کا تعلق فرانس کے ایک انتہائی متعصب عیسائی خاندان سے ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ خاندان یورپ کے کسی اور ملک سے فرانس گیا ہو بلکہ یہ خاندان اصلاً فرانسیسی خاندان ہے .... فرانسیسی نوجوان کی دوستی الجزائر کے نوجوانوں سے ہوگئی لیکن وہ دنیا دار تھے، انھوں نے تو اسلام کی دعوت نہیں دی لیکن فرانسیسی نوجوان خود ہی ان مسلمان جوانوں سے اسلام کی کچھ باتیں معلوم کر کے متاثر ہو گیا..... اللہ کی قدرت اس دوران اس کی ملاقات لبنان کے شیعہ نوجوان سے ہوئی اس شیعہ نوجوان نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرانس کے اس عیسائی نوجوان نے اسلام قبول کر لیا۔ عیسائی نوجوان نے قبول اسلام کے بعد اپنا نام ابوعلی رکھا۔

ابوعلی کا الجزائری دوست جس کے پاس فرانس کی شہریت تھی، اس نے بھی ابوعلی کی دعوت پر مذہب میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ یوں دونوں دوست جو شیعہ ہو چکے تھے، ان میں سے ابوعلی کو جہاد کا شوق پیدا ہوا۔ وہ یہ سمجھنے لگ گیا کہ اسلام میں سب سے افضل عمل جہاد ہے لہٰذا میں جہاد کر کے اپنے اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہوں اور شہادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ابوعلی فرانسیسی نے اپنے ان خیالات کا اظہار اپنے لبنانی دوست سے کیا، تو وہ ان دونوں کو جہاد کے لیے لبنان لے گیا... وہاں شیعہ کی تنظیم ''حزب اللہ'' کے نام سے

یہودیوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔ یہ دونوں ساتھی جب لبنان میں حزب اللہ کے دفتر میں گئے تو ان کا زبردست استقبال ہوا...... یہ وہاں کچھ عرصہ رہے، محاذ پر بھی گئے۔

اتفاق کی بات کہ محرم کا مہینہ آ گیا...... اب جب وہ ماتم کرنے لگے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کو بیان کر کے اپنے آپ کو خنجر مارنے لگے تو ابوعلی فرانسیسی اس پر سوالات کرنے لگ گیا۔ اسے جوابات تو دیئے گئے مگر اس کے دل کو اطمینان نہ ہوا...... چنانچہ وہ اپنے دوست ابوسعید کے ہمراہ یہاں سے واپس فرانس آ گیا۔ فرانس میں وہ الجزائر کے ان لوگوں سے ملا جو بوسنیا میں جہاد کا رابطہ رکھتے تھے۔ جہاد کا شوق ابوعلی کے دل میں بے پناہ تھا۔ چنانچہ اس نے الجزائر کے اہل سنت کے عقائد کا بھی جائزہ لیا۔ قرآن وحدیث کو براہ راست سمجھا اور پھر وہ بوسنیا روانہ ہو گیا وہاں مجاہدین کے ٹریننگ سنٹر میں وہ دینی تعلیم اور عسکری تربیت حاصل کرتا رہا...... اور پھر ایک دن کونیش کے محاذ پر روانہ ہو گیا۔

دو ماہ بعد ایک دوسرے محاذ پر چلا گیا وہاں ساٹھ کے قریب عرب مجاہد تھے۔ وہ عرب مجاہدوں میں رہ کر بڑا خوش تھا، ہر وقت شہادت کی گفتگو کرتا، دلیر بے پناہ تھا، چھوٹے چھوٹے کئی معرکوں میں اس نے حصہ لیا۔ اب بڑا معرکہ سربوں کے خلاف بدر کے نام سے شروع ہوا۔ شہادت کے شوق میں ابوعلی بڑی دلیری سے لڑا لیکن شہادت اس کے دوست ابوسعید الجزائری کو ملی۔ کلمہ اس کی زبان پر تھا، چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ اپنے اللہ کے پاس جا پہنچا۔ وہ زندگی کی 23 بہاریں گزار چکا تھا اور اب ان شاء اللہ جنت کی بہاروں میں ہو گا۔

ابوعلی کو اپنے دوست کی جدائی کا بھی غم تھا اور شہادت نہ ملنے کا بھی دکھ تھا۔ حضرت ابومصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو رومی تھے۔ یہ ابوعلی ان کی مثال تھا، انتہائی نیک، دلیر، سادہ، نعمتوں بھری زندگی سے دور...... فقر میں اور زہد میں زندہ رہنے والا...... اب اللہ کی قدرت یہ ہوئی کہ بوسنیا کا جہاد بند ہو گیا...... ابوعلی اس پر بے پناہ رویا، اور پھر وہ ساتھیوں کو رلاتا اور

روتا ہوا واپس فرانس چلا گیا۔

اب وہ متواتر اس تلاش میں رہا کہ جہاد کا کوئی دروازہ کھلا نظر آئے تو وہ وہاں سے داخل ہو جائے...... آخر کار اسے افریقہ میں اریٹیریا کا پتہ چلا کہ وہاں جہاد ہو رہا ہے، اب یہ اللہ کا شیر افریقہ کے گرم ترین علاقے اریٹیریا میں جا پہنچا اور وہاں گورا مجاہد...... کالوں کے دیس میں...... دین کی بنیاد پر عیسائیوں کے خلاف لڑتا لڑتا شہید ہو گیا...... وہ اب حوروں کے جھرمٹوں میں جنت الفردوس کے مزے لے رہا ہو گا۔ (ان شاء اللہ)

وہ ٹینک چھین کر مجاہدین کے پاس لے آیا

اللہ تعالیٰ شیخ ذکی الرحمٰن ﷾ کے فہم و ذکاء میں برکت فرمائے، جب جہاد اور ٹیکنالوجی کا ذکر ہوتا تو وہ فرماتے کہ ٹیکنالوجی کا انتظار کرتے کرتے جہاد کے فریضے کو تو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ فریضے پر عمل کرنا چاہیے، ٹیکنالوجی کے حامل بندے اللہ بھیج دے گا۔

اس ایمان افروز سوچ کے نظارے جہاد کے میدانوں میں بے شمار ہیں۔ ایسا ہی ایک نظارہ بپا ہوا یمن کے رہنے والے ابوحذیفہ البتار کے ہاتھوں سے۔ یمن دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، ایک شمالی یمن اور دوسرا جنوبی یمن۔ جنوبی یمن میں روس نواز کمیونسٹوں کی حکومت تھی، ابو حذیفہ البتار اسی کمیونسٹ حصے کا رہنے والا تھا۔ وہ کمیونسٹ فوج کا سپاہی تھا۔ کیوبا بھی کمیونسٹ ملک ہے۔ جنوبی یمن نے اپنے فوجیوں کو ٹینک ٹیکنالوجی کی تربیت کے لیے کیوبا میں بھیج دیا۔ ابو حذیفہ البتار بھی وہاں جا پہنچا، وہ تربیت لینے لگ گیا۔ تربیت لے کر جب وہ واپس آیا تو دنیا کے حالات بدل چکے تھے۔ روس کو افغانستان میں شکست ہو چکی تھی، کمیونسٹ ممالک کمیونزم......کو ترک کر چکے تھے۔ یمن بھی اب دو حصوں کی بجائے ایک ہی ملک بن چکا تھا، جنوب اور شمال کا تصور ختم ہو چکا تھا۔ کمیونزم خلیج عدن کے پانیوں میں ڈبکیاں لے کر مر چکا تھا۔ ابو حذیفہ کے دل پر ان حالات نے شدید اثر ڈالا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ جہاد کرے گا، چنانچہ وہ افغانستان چلا آیا، یہاں مجاہدین اور روس نواز گروپوں کے مابین لڑائی ہو رہی تھی۔ ابو حذیفہ البتار روس نواز گروپوں کے خلاف لڑنے لگ گیا۔

وہ ٹینک چلانے کا ماہر تھا، ٹینک کی ٹیکنالوجی کا مشاق تھا۔ وہ شمالی افغانستان میں

مجاہدین کے ساتھ مل کر اپنے ٹینک میں بیٹھا روس نوازوں پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ اس کے مخالف لڑنے والے ایک کچے مکان میں پوزیشن لیے ہوئے تھے۔ ابو حذیفہ البتار نے اپنے ٹینک کا رخ اس مکان کی طرف کر دیا، جب قریب پہنچ کر اس نے اپنے ٹینک کی بیرل کا رخ اس مکان کی طرف کیا اور گولے برسانے لگا تو کیا دیکھتا ہے کہ گولوں کا ذخیرہ ہی ختم ہو چکا ہے۔ اب البتار نے ٹینک ہی اس مکان پر چڑھا دیا، مکان کو گرا دیا اور وہاں موجود دشمنوں کو ٹینک تلے کچل ڈالا اور فاتحانہ واپس آ گیا۔

ابو حذیفہ البتار نے افغانستان میں مجاہدین کو ٹینک چلانے کی تربیت بھی دی۔ اس نے روسی ٹینکوں کی بھی تربیت کیوبا میں لی تھی۔ وہی ٹینک اب افغانستان میں تھے، جو روسیوں کے چھوڑے ہوئے تھے، چنانچہ اس نے ان ٹینکوں کی تربیت سے مجاہدین کو مالا مال کر دیا۔

بوسنیا کا جہاد شروع ہوا تو ابو حذیفہ البتار نے اب بوسنیا جانے کا پروگرام بنالیا، چنانچہ اس نے افغانستان سے جہادی بوریا بستر اٹھایا اور بوسنیا جا پہنچا، یہاں جن ٹینکوں کو سرب فوجی استعمال کر رہے تھے۔ وہ بھی روسی بلاک کے ٹینک تھے، البتار نے اب یہاں بھی مجاہدین کو ان ٹینکوں کی تربیت دینا شروع کر دی۔

تربیت کے لیے وہ ٹینک بھی خود ہی چھین کر لایا۔ ہوا اس طرح کہ ایک معرکے میں جو مجاہدین اور سربوں کے مابین جاری تھا۔ اس میں سرب فوجی ٹینک بھی استعمال کر رہے تھے۔ ابو حذیفہ البتار چھپ کر ان کے علاقے میں گیا اور ایک ٹینک میں جا گھسا۔ اس ٹینک کو وہ مال غنیمت بنا کر لایا۔ مجاہدین آج بڑے خوش تھے، یہ ٹینک سربوں کے خلاف معرکے میں بھی استعمال ہوا اور پھر ابو حذیفہ البتار نے اس پر مجاہدین کو تربیت بھی دی۔ اس طرح ایک اور معرکے میں موقع پا کر ابو حذیفہ البتار نکلا اور یہی پروگرام لے کر معرکہ آراء ہوا کہ ان کا ایک اور ٹینک وہ لائے گا۔ وہ اپنے مشن پر گامزن ہوتے ہوئے چلا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا راستے میں اس کا مجاہد بھائی زخمی ہو کر گرا پڑا ہے۔ اس کا نام ''الموفق'' تھا اور یہ مجاہد

لیبیا سے تعلق رکھتا تھا۔ ابو حذیفہ البتار اپنے مجاہد بھائی کی خبر گیری کرنے لگا تو سربوں کی طرف سے توپ کا ایک گولہ آیا۔ وہ ابو حذیفہ کے قریب آ کر پھٹا۔ اس کے پارچوں نے ابو حذیفہ کو چھلنی کر دیا۔ اسے شہادت مل چکی تھی۔ (ان شاء اللہ) روسیوں کی ٹیکنالوجی اور روسیوں کی تربیت کو روس نوازوں کے خلاف استعمال کرنے والا اللہ کا شیر اپنے اللہ کے پاس جا چکا تھا، مگر اپنی تربیت اور مہارت مجاہدین کو منتقل کر کے صدقہ جاریہ بنا چکا تھا۔ ابو حذیفہ البتار کے کتنے ہی مجاہد ساتھی یہاں برسر پیکار رہ کر شہید ہوئے۔ کس کس کا تذکرہ کیا جائے۔

محمد الصعیدی مصری یاد آتے ہیں کہ جنھیں بوسنیا کے جہاد کا پتہ چلا تو یہاں پہنچنے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ آخر کار انھیں پتہ چلا کہ اٹلی میں شیخ انور بیٹھے ہیں جو یہاں سے مجاہدین بوسنیا روانہ کرتے ہیں چنانچہ محمد الصعیدی نے شیخ انور سے رابطہ کیا اور پھر اپنی گائیاں بیچ کر ویزہ اور ٹکٹ لیا۔ سامان باندھا اور بوسنیا جا پہنچے وہاں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

خطاف البحرینی بڑے یاد آتے ہیں، جو بحرین کی فوج میں تھے، انھوں نے جہاد کشمیر کا سنا تو مقبوضہ کشمیر میں جا پہنچے وہاں مجاہدین کو ٹریننگ کرواتے رہے۔ پھر بوسنیا کا جہاد شروع ہوا تو وہاں جا پہنچے اور وہیں معرکہ آرا رہ کر شہید ہو گئے۔

ابو زبیر المدنی بھلا کیسے بھولنے والے ہیں کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ مدینہ کے باسی تھے۔ 1405ھ میں وہ جلال آباد میں برسر معرکہ تھے۔ کابل فتح ہو گیا تو واپس مدینہ منورہ میں آ گئے۔ شادی وہ اب کر چکے تھے، صاحب اولاد ہو چکے تھے، مگر بوسنیا کے جہاد کی آواز آئی تو لبیک کہتے ہوئے وہاں جا پہنچے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

وہ ترکی کا شیر ابو بکر بھلائے بھی نہیں بھولتا، جو ترکی سے نکلا بوسنیا میں جا پہنچا۔ اسے عربی نہیں آتی تھی، مگر عرب بھائیوں میں رہ کر بڑا خوش تھا، وہ جہاد کرتا رہا حتیٰ کہ بوسنیا کا جہاد اختتام کو پہنچا تو وہ رونے لگ گیا۔ اور بالآخر وہ چیچنیا میں جا پہنچا اور وہیں روسیوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہو گیا، اے اللہ! ان سب شہیدوں کو جنت الفردوس عطا فرما۔ (آمین)

زغرب کی گوری حسینہ ابوعبداللہ پر لٹو ہوگئی لیکن وہ تو حوروں کا دولہا بننے جا رہا تھا

اللہ کا یہ شیر جوان سعودی عرب کا رہنے والا ہے، قرآن کریم کا حافظ ہے۔ احساء شہر کے شریعت کالج میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ علمی اعتبار سے تمام طلباء میں وہ ممتاز مقام کا حامل ہے۔ ہر ایک کے ساتھ وہ یوں اخلاق سے پیش آتا ہے جیسے شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہو یعنی وہ سراپا مٹھاس اور حلاوت ہے۔ اللہ نے اسے بڑے وقار سے نواز رکھا ہے۔ چہرے پر ہیبت ٹپکتی ہے لیکن وہ جہاد کے میدان میں اپنے امیر کی اطاعت کا ایسا پابند ہے کہ اطاعت کی یہ روشنی اس کے چہرے سے کرنیں بکھیرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس جوان رعنا کا نام مشعل القحطانی ہے۔ اس نے اپنا جہادی نام ابوعبداللہ رکھا ہوا ہے۔

ابوعبداللہ روس اور کمیونسٹوں کے خلاف افغانستان میں ایک عرصہ برسرپیکار رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا سگا بھائی بھی جہاد میں مصروف تھا، یہ بھائی بڑا تھا، وہ ایک معرکے میں لڑتا ہوا افغانستان میں شہید ہو گیا۔ بھائی کی شہادت کے بعد ابوعبداللہ واپس اپنے گھر میں لوٹ آیا۔ سعودی عرب کے مشرقی شہر جبیل میں اپنی والدہ کی خدمت اور تعلیم میں مصروف ہو گیا...... جب بوسنیا کا جہاد شروع ہوا تو ابوعبداللہ کے دل میں جہاد کی خواہش مچلنے لگی چنانچہ وہ اپنی والدہ کو منانے لگ گیا لیکن والدہ جس کا خاوند موجود نہ تھا اور بیٹا افغانستان میں شہید

ہو چکا تھا وہ اپنے اس بیٹے کو نگاہوں سے دور جاتا ہوا دیکھ نہ سکتی تھی۔ ماں نے اجازت نہ دی۔ بیٹا وقتاً فوقتاً ماں کو مناتا رہا لیکن بات نہ بن سکی۔ آخر کار ماں نے ایک بڑے ہی اچھے اور معزز خاندان میں اپنے بیٹے کی منگنی کر ڈالی، پھر نکاح بھی ہو گیا...... اب رخصتی باقی تھی، سو رخصتی کے دن بھی طے پا گئے۔ تاریخ کا تعین ہو گیا۔

اللہ کا اپنا نظام ہے وہ ماں کو دوسرے بیٹے کی جدائی کے صدمے سے بچانا چاہتا تھا اور ابوعبداللہ کی خواہش کو بھی پورا کرنا چاہتا تھا لہٰذا ہوا یہ کہ ابوعبداللہ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا وہ اپنے مولا سے جا ملیں...... ابوعبداللہ اب دین کا عالم بن چکا تھا، وہ شریعت کالج کے آخری سال میں تھا۔ وہ شوق جہاد اور طلب شہادت میں آخری سال مکمل کرنے کا صبر آزما مرحلہ بھی طے نہ کر سکا اور اس نے بوسنیا جانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے اپنے ہمراہ اپنا ایک اور ساتھی تلاش کر لیا اپنے سامان کو تیار کیا اور فیصلہ کیا کہ وہ اپنا رمضان...... جہاد کے میدان میں گزارے گا۔ روزے بھی رکھے گا اور معرکے بھی لڑے گا...... چنانچہ 1415ھ کا رمضان شروع ہوا اور ابوعبداللہ اپنے ساتھی کے ہمراہ ایئرپورٹ پر تھا۔ دونوں ساتھی کروشیا کے دارالحکومت ''زغرب'' کے ہوائی اڈے پر جا اترے۔

زغرب ایئرپورٹ سے وہ ٹیکسی میں بیٹھے اور ایک ہوٹل میں جا پہنچے۔ ہوٹل کے استقبالیہ پر ایک انتہائی خوبصورت حسینہ بیٹھی تھی۔ اس نے جب ابوعبداللہ کو دیکھا تو دل دے بیٹھی، ابو عبداللہ بڑا خوبصورت گورے رنگ والا جوان تھا۔ چہرہ بڑا پرکشش تھا، گھنی سیاہ داڑھی تھی، زلفوں کا کیا کہنا، عجیب پررونق جبیں کا حامل مکھڑا تھا۔ ابوعبداللہ یہاں تین دن ٹھہرا، وہ تو اگلی منزل کی پیش بندی میں مصروف تھا۔ لیکن گوری حسینہ ہر وقت اس تاک میں رہتی کہ ابوعبداللہ کمرے سے باہر نکلے تو وہ اس پر ڈورے ڈالے لیکن وہ جب بھی باہر نکلتا تو حسینہ کی ڈوریں الجھ جاتیں۔ ابوعبداللہ اس کی طرف دھیان ہی نہ دیتا۔ وہ خوب بن سنور کے...... اٹھکیلیاں کرتی لیکن اس کی کوئی چال کامیاب نہ ہو سکی...... آخر کار جب تیسرا دن ہوا تو ابوعبداللہ اگلی

پرواز کا بندوبست کر چکا تھا اور اب وہ ہوٹل چھوڑنے والا تھا، وہ کاؤنٹر پر آیا اور الوداع ہونے لگا تو وہ گوری حسینہ پریشان ہوگئی کہ یہ تو جا رہا ہے...... آخرکار اس سے رہا نہ گیا اور اس نے ابوعبداللہ سے صاف کہہ دیا!

''میں تجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہوں، میں نے اپنی ذات کے لیے آپ کا انتخاب کیا ہے۔ میں زندگی تیرے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں.........؟''

ابوعبداللہ ہوٹل کا بل دے چکا تھا، اس نے گوری حسینہ کی باتوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا، وہ باتیں کرتی چلی گئی اور ابوعبداللہ کاؤنٹر پر اسے چھوڑے چل دیئے۔ کار میں بیٹھے اور زغرب ایئرپورٹ پر جا پہنچے۔ وہاں سے فلائٹ پکڑی، جہاز میں بیٹھے اور بوسنیا کے ساحلی شہر ''سپلیٹ'' کے ایئرپورٹ پر جا اترے۔ ایئرپورٹ سے جب باہر آئے بوسنیا کی زمین پر قدم رکھے تو انھیں اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ معرکوں کی زمین...... جہاد و قتال کے ملک میں آ چکے ہیں، وہ بے ساختہ کہنے لگے!

❀ کیا واقعی میں ارض جہاد میں داخل ہو گیا ہوں؟

❀ کیا یہ درست ہے کہ سرب جو اللہ کے دشمن ہیں میں ان سے جہاد کروں گا؟

❀ کیا یہ صحیح ہے کہ میں مجاہدین کا پہرہ دوں گا؟

❀ کیا یہ حقیقت ہے کہ میں مسلمانوں کے تحفظ کے لیے یہاں پہنچ گیا ہوں؟

❀ ایسی سرزمین جہاں میں دشمن پر جھپٹنے کے لیے تیار اور پابہ رکاب رہوں گا...... وہاں آ چکا ہوں؟

جی ہاں! بحمداللہ...... میں یہاں پہنچ چکا ہوں!

شیخ ابوعبدالعزیز حفظہ اللہ ٹراونک کے علاقے میں مسلم فورسز کے سپریم کمانڈر ہیں۔ ابوعبداللہ اب اس علاقے میں پہنچ چکے ہیں۔ وہ یہاں مجاہدین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں...... یہاں کئی چھوٹی چھوٹی بکھری ہوئی بستیاں ہیں۔ ان میں چند مساجد بھی موجود ہیں۔ ان

بستیوں کے وسطی اور کشادہ علاقے میں مجاہدین نے ڈیرے لگا رکھے ہیں۔ ابو عبداللہ ان بستیوں کے باسیوں کے لیے رحمت کی بارش ثابت ہو چکے ہیں۔ وہ اگرچہ بوسنوی زبان نہیں جانتے لیکن کچھ الفاظ سیکھ کر اور اشاروں وغیرہ کی مدد سے بچوں کو سورۃ فاتحہ یاد کرواتے ہیں۔ نماز کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ بڑوں کو بھی دین سکھاتے ہیں ..... اس طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بستیوں والے چھوٹے بڑے ابو عبداللہ سے مانوس ہو گئے ہیں وہ ان سے بے حد پیار کرنے لگے ہیں..... اس پیار اور محبت میں عقیدت بھی شامل ہے کہ ابوعبداللہ رسول ہاشمی ﷺ کے دیس سے آیا ہے۔ وہ اس ملک سے آیا ہے جس ملک کا نام سعودی عرب ہے۔ وہاں مکہ اور مدینہ کے مقدس شہر ہیں..... ابوعبداللہ جب محاذ جنگ پر جاتے ہیں تو وہاں اپنے بوسنوی مجاہد بھائیوں کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں۔ ان کو اسلام کی تعلیم اور دعوت وتبلیغ کا کام برابر جاری رکھتے ہیں۔

حالات یونہی گزرتے رہے، وقت یوں ہی بیتتا رہا حتی کہ رمضان المبارک کے آخری مبارک عشرہ کا آغاز ہو گیا..... آواز دینے والے نے آواز دی، معسکر میں اس کی آواز گونجی! اللہ کے شاہسوار شیرو! سوار ہو جاؤ، دشمن سے لڑنے کے لیے قافلہ تیار ہے ..... قافلہ اب فلاشیخ کے مشہور پہاڑی سلسلے کی جانب گامزن ہو گیا۔ یہاں ایک انتہائی بلند پہاڑی چوٹی ہے۔ یہ چوٹی جنگی اور جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہم ہے مگر یہ سربوں کے پاس ہے۔ انھوں نے یہاں توپیں فٹ کر رکھی ہیں، وہ مجاہدین پر اور بستیوں پر گولے برساتے رہتے ہیں۔ مجاہدین کا پروگرام یہ ہے کہ کیموفلاج ہو کر..... رینگتے ہوئے سربوں کے علاقے میں داخل ہوں گے اور پھر اس چوٹی پر دھاوا بولیں گے ..... یوں مجاہدین نے تین کلومیٹر کا فاصلہ کیموفلاج ہو کر اور رینگتے ہوئے طے کیا۔ مجاہدین نے ساری رات اس سفر پر لگا دی حتی کہ فجر ہو گئی۔

ذرا ٹھہریئے! ابوعبداللہ کا خواب ملاحظہ کر لیجیے۔ ابوعبداللہ نے معرکے سے دو دن قبل

رات کو خواب دیکھا، خواب اپنے ہمسفر ساتھی کو سنایا کہ میں نے دو سربوں کو قتل کر دیا ہے اور پھر دشمن کی طرف سے دو گولیاں میری طرف آئی ہیں اور...... ابو عبداللہ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، یہاں لگی ہیں اور میں شہید ہو گیا ہوں۔ جس بھائی نے یہ خواب سنا اس نے سنتے ہی ابو عبداللہ کو خوشخبری دی کہ آپ کی شہادت پکی ہے۔ (ان شاء اللہ) اس پر ابو عبداللہ، اللہ کے حضور بطور شکر کے بار بار یہ کہتے رہے!

اللہ! تیری جناب میں شہادت کے حصول کی تمنا کرتا ہوں، میں اس کا اہل نہیں ہوں مگر اے اللہ! عطا فرما دے۔

پھر اپنے ساتھی سے کہنے لگے! میرا یہ خواب کسی کو بتلانا نہیں۔

جی ہاں! مجاہدین اب پہاڑوں پر چڑھتے ہوئے بڑی چوٹی کے سامنے اور قریب آ گئے ہیں کہ جس پر دشمن بیٹھا ہے، مجاہدین کے امیر نے تمام مجاہدین کو رمضان کا روزہ افطار کرنے کا حکم دے دیا ہے تاکہ معرکے کے دوران ان کی جسمانی قوت میں کمی واقع نہ ہو...... سب مجاہدین نے روزہ افطار کر دیا ہے مگر ابو عبداللہ نے افطار نہیں کیا، وہ چپکے سے اپنے امیر کے پاس گیا اور گزارش کی کہ اسے روزہ رکھنے کی اجازت دی جائے، امیر نے اجازت دے دی...... فجر طلوع ہوتے ہی مجاہدین نے اللہ اکبر کے نعروں سے سربوں پر یلغار کر دی...... وہ اس ناگہانی آفت کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کا نقصان بہت ہوا، معرکہ جاری رہا اور زوروں پر پہنچ گیا۔ مجاہدین بڑی دلیری اور بہادری سے لڑ رہے تھے۔ مجاہدین پیش قدمی بھی کرنے لگ گئے تھے۔ ابو عبداللہ پیش قدمی میں پیش پیش تھے۔ وہ اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان تینوں کو گھیرنے کے لیے سربوں کا ایک دستہ نکلا، ابو عبداللہ نے ان پر فائر کھولا اور دو کو ڈھیر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سربوں کی طرف سے دو گولیاں آئیں اور سیدھی ابو عبداللہ کے سینے پر لگیں، ابو عبداللہ گرے اور شہید ہو گئے۔ ان کا خواب پورا ہو چکا تھا۔

باقی دو مجاہد ساتھی جو ابو عبداللہ کے ہمراہ تھے، وہ بھی زخمی ہو گئے...... دونوں جانب سے

ایک دوسرے پر گولیوں اور بموں کی بوچھاڑ بارش کی طرح جاری تھی۔ شہید ابوعبداللہ اور باقی زخمی ساتھی سربوں کی رینج میں ان کے بالکل قریب تھے۔ مجاہدین کے لیے ان کو اٹھانا ناممکن تھا، اس دوران سربوں نے زخمیوں کو اٹھانا چاہا تا کہ انھیں قیدی بنائیں۔ ان دونوں میں سے ایک زخمی مجاہد نے سربوں کو اپنی جانب آتا دیکھ کر پکارنا شروع کیا۔ یااللہ! یااللہ! یا اللہ...... اور پھر چند لمحوں کی بات تھی، دیکھتے ہی دیکھتے انتہائی کثیف دھند نازل ہوئی۔ اس دھند کی وجہ سے مجاہدین کے لیے ممکن ہو گیا کہ وہ اپنے شہید اور زخمی بھائیوں کے پاس چلے جائیں چنانچہ وہ دوڑ کر ان کے قریب گئے جبکہ سرب اس صورتحال سے پریشان ہو کر واپس بھاگ گئے، ادھر مجاہدین نے اپنے تینوں بھائیوں کو اٹھایا اور واپس آ گئے۔

ابوعبداللہ کو جب دیکھا تو ان کا چہرہ کھلا ہوا، پر رونق اور مسکرا رہا تھا، چہرے پر ایسی نورانیت تھی کہ وہ اللہ کا نشان دکھائی دے رہا تھا...... معرکے سے فارغ ہونے کے بعد واپس اپنی منزل یعنی ٹھکانے پر آئے تو ابوعبداللہ کے لیے قبر کھودی جانے لگی۔ ابوعبداللہ کو جونہی قبر میں رکھا گیا تو قبر سے کستوری کی مہلک اٹھی جس کو ہر اس شخص نے سونگھا جو وہاں موجود تھا، یہ تھے عالم باعمل، قرآن کے حافظ، تقویٰ اور تواضع میں اپنی مثال آپ ابوعبداللہ مشعل القحطانی رحمہ اللہ...... اللہ ان کی شہادت قبول فرمائے اور 72 حور عین کا دولہا بنائے۔ (آمین)

وہ کس قدر خوش قسمت تھا کہ رمضان کے پہلے عشرے میں جہاد کے لیے آیا اور آخری عشرے میں روزے کی حالت میں معرکہ لڑتا ہوا سیدھا جنت میں جا پہنچا (ان شاء اللہ)

رزق سے بھرا صندوق ابوزبیر کے گھر میں آن گرا

مجاہدین اور سربوں کے مابین اب نہ صرف یہ کہ معرکے بپا ہو گئے بلکہ وہ زور پکڑ گئے۔ سرب کثیر تعداد میں قتل ہونے لگے۔ زخمی بھی ہو رہے تھے اور مجاہدین بھی شہادتیں پا رہے تھے۔ اس دوران جنگ میں ایک جدید عنصر یہ شامل ہوا کہ کروشیا کے کیتھولک عیسائی جنھیں سربیا کے آرتھوڈکس عیسائیوں نے کچل ڈالا تھا۔ وہ بھی بوسنیا کے مسلمانوں پر حملے کرنے لگے۔ اس تازہ صورتحال میں بوسنیا کا شہر ''تشن'' سخت مشکلات میں گھر گیا۔ یہ شہر بوسنیا کے علاقے سے کٹ کر رہ گیا۔ دونوں طرف سے دشمنوں کے درمیان گھر گیا ایک جانب سے سرب صلیبی محاصرہ کئے ہوئے تھے اور دوسری جانب کروشیا کے صلیبی محاصرہ کئے ہوئے تھے۔

مجاہدین کا کمانڈر ابوزبیر حائلی بھی اسی شہر میں موجود تھا۔ اس نے اس شہر میں بوسنیا کی ایک خاتون سے شادی بھی کر رکھی تھی۔ محاصرہ دن بدن سخت ہوتا چلا گیا۔ شہر اور اس کے قرب و جوار کے دیہات جو محاصرے میں تھے ان کے رہنے والے بوسنوی مسلمان اپنے سارے کام کاج اور زراعت و کاشت چھوڑ کر اپنا دفاع کرنے اور جہاد کرنے میں مصروف تھے۔ ان کے پاس غذا کی قلت اس قدر ہوگئی۔ حتیٰ کہ لوگ فاقے کرنے لگے۔

اس صورتحال میں اقوام متحدہ کی طرف سے آسمان سے جہازوں کے ذریعے غذا اور دیگر ضروریات کے سامان پر مشتمل صندوق گرانے کا کام شروع ہوا۔ یہ صندوق پیراشوٹ کے ذریعے گرائے جاتے تھے۔ یہ صندوق لوہے کا ہوتا تھا اور اتنا بڑا ہوتا تھا کہ اس میں گھی کا

ایک ہزار پیکٹ ہوتا تھا۔ ہزار کلو آٹا ہوتا تھا۔ قہوے کی تھیلیاں ہوتی تھیں اور اس کے علاوہ ضرورت کا سامان ہوتا تھا...... یہ صندوق جب بھوک سے بلبلاتے مسلمان بچوں، عورتوں اور مردوں کے علاقے میں گرتے تو گرنے والی متوقع جگہوں پر سرب فوجی گھات میں بیٹھتے اور جب صندوق اٹھانے مسلمان آتے تو وہ ان پر توپوں کے گولے پھینکتے تا کہ غذا کے متلاشی مسلمان عورتوں اور بچوں کو مار دیا جائے۔ کئی جگہوں پر ایسا ہوا کہ مسلمان اس طرح صندوق اٹھاتے شہید ہو گئے۔

ابوزبیر حائلی ایک دن اپنی بوسنوی بیوی کے ماں باپ کے گھر میں تھا۔ وہ گھر کی دوسری منزل پر بیٹھا تھا۔ سب گھر والوں کا بھوک سے برا حال تھا۔ ابوزبیر اکیلا بیٹھا سوچوں میں گم تھا کہ وہ اپنی بیوی بچوں اور باقی اہل خانہ کو کہاں سے کھلائے؟ ...... اچانک اس کے گھر کے اوپر جہاز نمودار ہوا۔ ابوزبیر نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو ایک صندوق فضا میں زمین کی طرف آ رہا تھا...... وہ سیدھا ابوزبیر کے گھر کے صحن میں ایک کونے میں آن گرا...... ابوزبیر سرپٹ صندوق کی طرف بھاگا۔ صندوق کی سیلوں کو توڑا اور اس میں سے آٹا، گھی، نمک، قہوہ، دودھ اور باقی چیزیں نکالنے لگا۔ گھر کے باقی افراد بھی اکٹھا کر رہے تھے۔ ضرورت کی اشیاء سے خالی باورچی خانہ اب بھر چکا تھا۔ باقی ماندہ سامان دوسرے ضرورتمندوں کے سپرد کر دیا گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ایک مجاہد کے گھرانے کی خوراک کے ساتھ مدد کی اور خوب مدد کی۔

یہی ابوزبیر حائلی بعد میں اس وقت شہید ہو گئے جب وہ سرائیوو شہر کا محاصرہ توڑنے کے لیے برسرپیکار تھے۔ شہر محاصرے میں تھے اور اس کے گرد سرب فوجوں نے یوں محاصرہ کر رکھا تھا جیسے کلائی کے ساتھ کلائی پکڑ کر کسی کو گھیرا جاتا ہے......صرف سرائیوو کا ہوائی اڈہ محاصرے میں نہ تھا۔ وہاں ابوزبیر حائلی اپنے ساتھیوں کے ساتھ محاصرہ توڑ رہے تھے کہ معرکے میں ان کے ساتھ ابوعباس شہید ہوئے اور پھر وہ خود بھی شہید ہو گئے ......ساتھی مجاہد بتلا رہے تھے کہ

وہ شدید زخمی حالت میں تھے۔ خون بہتا جا رہا تھا اور وہ اپنے رب سے مناجاتوں میں مصروف تھے۔ کہتے جا رہے تھے۔ اے اللہ! میں تیری جناب میں اجر وثواب کی امید رکھتا ہوں اور پھر وہ اپنے اللہ کے پاس جا پہنچے۔ انا اللہ وانا علیہ راجعون۔

❀❀❀

وہ زمین پہ بیٹھا آسمان میں حسین ترین عورت کو دیکھتا ہی رہ گیا

خلیج عرب کی ریاستوں میں وہ ریاست جس کا نام ''قطر'' ہے۔ دارالحکومت ''دوحہ'' ہے۔ یہاں کا رہنے والا ابوزید الھاجری 14 سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے۔ اس کے والد صاحب قطر کی فوج میں اعلیٰ ترین افسر ہیں۔ باپ نے ذہن میں پروگرام یہی بنایا تھا کہ بیٹے کو بھی فوج میں اعلیٰ منصب کی طرف لے جاؤں گا چنانچہ وہ اپنے بیٹے ابوزید کو فوج میں لے گئے۔ تا کہ وہ فوجی اداروں میں تعلیم مکمل کر کے اعلیٰ افسر بن جائے۔ ابوزید نے تعلیم حاصل کی اور اب اس کی عمر 17 سال ہو گئی تھی...... اعلیٰ منصب کی پہلی سیڑھی اب ابوزید کے قدموں تلے تھی۔

انہی دنوں بوسنیا میں ظلم و عدوان کی آندھی چلنا شروع ہو گئی۔ خبروں نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ ابوزید نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کو پہنچے گا...... چنانچہ اس نے رابطے کئے اور منصوبہ بنا کر بوسنیا کی جانب چل دیا۔ اس کے ساتھ اس کے مزید تین ساتھی بھی جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ یوں یہ چار ساتھی بوسنیا کی طرف روانہ ہوئے۔ چار کا عدد وہ ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

''(تعداد کے اعتبار سے) بہترین ساتھی چار ہیں۔''

یہ چار ساتھی ابوزید، ابواحمد، ابومصعب اور ابومعاذ تھے...... چاروں ساتھیوں کے پاس اپنے اپنے کوٹھی نما محلات ہیں۔ جدید ترین گاڑیاں ہیں۔ دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں۔ یہ

ساری نعمتیں چھوڑتے ہیں اور دین کے رشتے میں بندھے یہ چاروں بھائی چل پڑتے ہیں۔ بہت ساری تکالیف اور مصیبتیں جھیلنے کے بعد بالآخر وہ بوسنیا میں جب قرارگاہ پر پہنچتے ہیں تو وہاں موجود ابو صالح القطری، ابومعاذ القطری اور ابو خالدالقطری رحمہم اللہ ان کا استقبال کرتے ہیں۔

وہاں پہنچ کر ابوزید کے اندر عجیب تبدیلی آئی وہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزے سے ہوتا۔ تہجد گزار بن گیا۔ جب نماز پڑھتا تو بے ساختہ اپنے رب کے حضور روتا۔ آہ و زاری کرتا۔ خشوع وخضوع اس کے جسم کے انگ انگ سے ٹپک ٹپک پڑتا...... اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ساتھیوں کے لیے عاجزی وانکساری اور ایثار وقربانی کا پیکر تھا..... بے انتہا لطف وکرم کا حامل تھا..... مجاہدین جب دسترخوان پر بیٹھتے تو وہ دسترخوان بچھاتا۔ کھانا آگے رکھتا۔ خدمت کرتا اور جب سارے کھا لیتے تو آخر میں جو بچتا وہ کھا لیتا۔ جب تک ایک مجاہد بھی کھانے کے لیے باقی رہ جاتا تو وہ دسترخوان پر نہ بیٹھتا بلکہ اسے بھی کھلا کر ہی کھاتا...... سب کا بچا ہوا کھانا کھاتے ہوئے وہ خود کو خوش قسمت سمجھتا۔

حراسہ یعنی مجاہدین کا جب وہ پہرہ دیتا تو پہرے کے ساتھ ساتھ اپنے اللہ سے لو لگا لیتا۔

ایک روز جب مجاہدین محاذ کی جانب چل دیے اور وہاں پہنچ کر روزہ افطار کیا..... اور محاذ کی اگلی صف پر پہرہ شروع ہوگیا تو ابوزید وہاں پہرہ دینے لگ گیا۔ اس روز آسمان بڑا صاف تھا۔ تاروں کے جھمگھٹوں سے آسمان جگمگا رہا تھا۔ زمین برف سے ڈھکی ہوئی اور سردی کافی تھی۔ پچھلی رات کا ٹائم تھا..... مجاہدین کے امیر نے کھدی ہوئی خندقوں اور مورچوں کا جائزہ لینے کے لیے گشت شروع کر دیا..... جب امیر صاحب نے ابوزید کو دیکھا تو ابوزید کی آنکھیں آسمان کو دیکھے جا رہی ہیں..... وہ بیٹھا لگاتار یوں دیکھ رہا تھا جیسے وقت ٹھہر گیا ہو اور آنکھوں نے جھپکنا بند کر دیا ہو...... بس وہ آنکھیں دیکھے ہی جا رہی تھیں..... ابوزید یوں دیکھ رہا تھا جیسے آسمان کا کوئی عجوبہ اسے نظر آ گیا ہو۔ امیر نے یہ منظر دیکھ کر آواز دی:

یا ابازید..... یا ابازید

مگر ابوزید نے کوئی جواب نہ دیا...... امیر اس کی طرف قدم اٹھاتا چلا گیا اور آواز دیتا چلا گیا مگر زید کی طرف سے نہ کوئی جواب، نہ جنبش نہ ہلکی سہ کوئی حرکت ...... امیر اب زید کے اوپر کھڑا تھا۔ امیر نے کندھے پہ ہاتھ رکھا زور سے ہلایا اور کہا، کیا ہوا تجھے؟ ...... ابو زید نے کہا، کچھ بھی نہیں۔ امیر نے کہا، کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے مگر اللہ کی قسم! میں چھوڑوں گا نہیں جب تک مجھے بتلائے گا نہیں کہ تو کیا دیکھ رہا تھا...... ابوزید کو اب بتلانا پڑا

......اس نے کہا:

''اللہ کی قسم! میں نے آسمان کی طرف دیکھا وہ یوں لگا جیسے اس کے بند دریچے کھل رہے ہیں اور وہاں سے ایک عورت کو دیکھا جو اس قدر خوبصورت اور حسین ترین تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسی پرجمال خاتون نہیں دیکھی۔ وہ خاتون اپنے ہاتھ کے ساتھ مجھے اشارہ کر کے سلام کرنے لگ گئی۔''

مجاہدین کے امیر نے یہ بات سنی اور دل میں رکھ لی اور دونوں اپنے ٹھکانے پر آ گئے۔

معرکہ شروع کرنے میں کچھ ہی دیر باقی تھی ...... عسکری دانشوروں نے معرکہ کے اس مقام کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ جبھہ جنگی جہازوں کی مدد کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ بوسنوی لشکر کئی بار یہاں حملہ کر کے آخر کار پسپا ہو کر واپس ہوا۔ مگر آج مجاہدین نے اس قدر زور سے حملہ کیا اور دیوانہ وار لڑے کہ علاقہ فتح ہو گیا۔ سرب بھاگ اٹھے۔ ان کی لاشیں میدان میں پڑی تھیں ...... اور جی ہاں! ابوزید القطری جو لڑتے ہوئے۔ سربوں کو پچھاڑتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے وہ دشمن کی گولیوں کے شدید وار سے شہید ہو گئے ......اور انشاء اللہ اسی خاتون کے پاس جا پہنچے جو انھیں اپنی طرف بلا رہی تھی۔

میں یہ واقعہ محترم حافظ محمد سعید، محترم حافظ عبدالسلام صاحب، پروفیسر حافظ عبدالرحمٰن مکی صاحب اور پروفیسر ظفر اقبال صاحب اور دیگر احباب کی مجلس کے دوران سنا رہا تھا کہ امیر محترم کے زمیل جناب ابو خالد محمد امین جو ایک شہید کے بھائی اور خود بھی غازی ہیں مجھے بتلانے لگے کہ!

ابوالقاسم مصطفیٰ جو ہماری گلی میں رہنے والا ہے۔ غلام محمد آباد فیصل آباد کا باسی ہے...... وہ رب کے راستے میں لڑتا ہوا زخمی ہو گیا...... مقبوضہ وادی میں اس کے پیٹ کی انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ دو ساتھیوں نے پیٹ پر کپڑا باندھ دیا...... پھر اسے اپنی ہائیڈ میں لے گئے۔ سارا دن گزر گیا مگر ابوالقاسم نے درد کو نہ محسوس کیا۔ نہ اس کا ذکر کیا...... اگلا دن چڑھا تو اسی حالت میں عصر کا وقت ہو گیا...... دو ساتھی جو پاس خدمت کیلیے تھے۔ ان میں ایک لکڑیاں چیرنے لگا۔ دوسرا کھانا بنانے لگ گیا۔

دونوں ساتھیوں میں سے ایک اندر آیا کہ زخمی بھائی کا پتہ کرے...... ابوالقاسم نے آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا یہ لڑکیاں جو بیٹھی ہیں انھیں میرے سامنے سے ہٹا دو...... ساتھی نے ابوالقاسم کا منہ دوسری طرف کر دیا...... اور اس کے ساتھ ہی ابوالقاسم کی روح پرواز کر گئی وہ شہید ہو چکا تھا۔

اب ایک تیسرا ساتھی یہاں آتا ہے اور لکڑیاں چیرنے والے ساتھی کو کہتا ہے۔ یار! آپ سے خوشبو آ رہی ہے...... پھر کھانا پکانے والے سے ملا تو اسے بھی کہنے لگا! آپ سے بڑی زبردست خوشبو آ رہی ہے...... اب خوشبو نے کہاں سے آنا تھا...... کئی کئی ہفتے تو یہاں نہا نہیں سکتے۔ کپڑے میلے کچیلے اور خوشبوئیں کہاں؟ اب شہید ہونے والے کے خون کو ان ساتھیوں نے دیکھا اور سونگھا تو خون سے بڑی پیاری اور بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی...... تینوں ساتھی کہتے ہیں کہ جب ہم ابو قاسم کی قبر کھود کر...... ابو قاسم کو قبر میں ڈالنے لگے تو اس کی داڑھی سے پانی کے ننھے منے قطرے گر رہے تھے جیسے کسی نے غسل دیا ہو حالانکہ وہاں تو پانی پینے کو نہ ملتا تھا اور ویسے بھی شہید کو غسل دینے کی ضرورت نہیں...... تو یہ تھیں شہید کی کرامتیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نظارے کروا رہا تھا...... راجوری میں شہید ہونے والا اللہ تعالیٰ سے شہادت کا اجر پا کر حوروں کے پاس جا پہنچا۔ (ان شاء اللہ)

ابو معاذ کویتی نے تاجر سے چندہ مانگا اس نے منہ پر تھوک دیا اور پھر......؟

ابو معاذ کویت کا رہنے والا تھا، اس کا نام عادل غانم تھا، ابو معاذ رحمہ اللہ شوق شہادت لے کر روسیوں کے خلاف لڑنے کے لیے افغانستان میں پہنچے۔ وہاں کئی سال تک لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ مجاہدین کے کمانڈر بن گئے، وہ اس قدر دلیر تھے کہ ایک بار جب وہ محاذ جنگ پر پہرہ دے رہے تھے انھیں معلوم ہوا کہ سامنے روسی پوسٹوں پر آج ان کا روسی فوجی افسر آیا تھا۔ ابو معاذ نے اسے زندہ گرفتار کر کے لانے کا عزم کر لیا۔ اپنے ایک مجاہد ساتھی کو ہمراہ لیا اور دشمن کے قریب تک رات کے اندھیرے میں پہنچ گئے...... دشمن باخبر ہو گیا لہٰذا واپس بھاگنا پڑا، اب ان پر بموں کے گولوں اور گنوں کی گولیوں کی بارش ہو رہی تھی...... یہ بھاگتے ہوئے ایک ویران کچے مکان میں گھس گئے۔ کچھ دیر کے لیے فائر رک گیا تھا اور کمیونسٹ روسی ان کی تلاش میں تھے۔ ابو معاذ نے کھڑکی کھولی اور باہر جھانکا تو ایک روسی نظر آیا ابو معاذ نے اس کا نشانہ لے کر اسے وہیں ڈھیر کر دیا...... اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روسیوں کو ابو معاذ کے ٹھکانے کا پتہ چل گیا لہٰذا فائر شروع ہو گیا حتیٰ کہ ابو معاذ کا ساتھی یہاں شہید ہو گیا۔ اب ابو معاذ یہاں سے رینگتے ہوئے نکلا اور اللہ کی مدد سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔

افغانستان سے شکست کھا کر جب روسی بھاگ گئے تو ابو معاذ کویت واپس آ گیا...... ابو معاذ کی مشغولیت اب علمی میدان میں تھی، وہ جہاد کے مختلف مسائل پر تحقیق کرنے لگ گئے

حتیٰ کہ وہ اپنی لائبریری میں کھو گئے۔ اردگرد کتابوں کا ڈھیر تھا...... اس دوران بوسنیا کی جنگ شروع ہوگئی۔ انھوں نے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سنے تو بوسنیا کی جانب چل نکلے، وہ 1413ھ میں بوسنیا میں پہنچے وہاں وہ معرکوں میں شامل رہے، عورتوں اور بچوں کی ناگفتہ بہ حالت ان سے دیکھی نہ جاتی تھی چنانچہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ کویت واپس جا کر وہ فنڈ اکٹھا کریں گے اور بوسنیا میں دوبارہ آ کر پھر برسرپیکار ہو جائیں گے...... کویت میں انھوں نے کافی سارا جہادی فنڈ اکٹھا کیا۔ ابو معاذ کویتی خود بھی متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، وہ جہاد کے میدان میں بے حد بہادر تھے تو دعوت کے میدان میں کس قدر نرم تھے...... اس کا اندازہ ابو معاذ کے اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے!

ابو معاذ ایک دن کویت کے ایک بہت بڑے تاجر کے پاس پہنچے۔ ان کے ساتھ ان کا ایک مجاہد دوست بھی تھا جس نے اس تاجر کے پاس جانے کے لیے رہنمائی کی تھی اور بتلایا تھا کہ یہ اتنا بڑا تاجر ہے کہ اگر وہ فنڈ دینے پر آ گیا تو اکیلے کا فنڈ ہی اس قابل ہوگا کہ ابو معاذ یہ رقم لے اور کسی دوسرے سے مانگے بغیر بوسنیا روانہ ہو جائے۔ ابو معاذ نے مذکورہ تاجر کے پاس پہنچ کر اس کے سامنے بوسنیا کے حالات بیان کرنے شروع کیے...... عورتوں اور بچوں پر مظالم کی داستانیں سنانا شروع کیں۔ جہادی واقعات سنائے، تاجر یہ سارا کچھ سنتے سنتے غصے میں آ گیا اور ابو معاذ کے چہرے پر حقارت سے تھوک دیا اور کہنے لگا! میں اس قدر فارغ نہیں ہوں کہ تیری اتنی لمبی تقریر سنتا چلا جاؤں ...... ابو معاذ نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا، اسے کوئی غصہ نہیں آیا، غضب میں مبتلا نہیں ہوا، حالانکہ وہ اس قدر مضبوط جسم والا کمانڈر تھا کہ تاجر کو ایک مکا رسید کر دیتا تو تاجر کا جبڑا توڑ ڈالتا...... لیکن ابو معاذ اپنی ذات کے لیے تھوڑا ہی آیا تھا وہ تو اللہ کے لیے آیا تھا۔ اپنے مظلوم بوسنوی بھائیوں اور بہنوں کی مدد کے لیے آیا تھا...... چنانچہ ابو معاذ جو ریشم کی طرح نرم تھا وہ اور نرم ہو گیا اور انتہائی نرمی اور ملائمت سے تاجر کو کہنے لگا! حضور والا! یہ تھوک جو میرے چہرے پہ پڑی ہے، یہ تو آپ نے مجھے عنایت فرما

دی...... اب مجھے یہ بتلایئے کہ میرے بوسنوی بھائی اور بہنیں جو بوسنیا میں تڑپ رہے ہیں، آپ ان کے لیے کیا دیتے ہیں؟ تاجر تڑپ اٹھا، وہ شرمندگی کے سمندر میں ڈوب گیا، وہ ابو معاذ کے چہرے کو صاف کرنے لگ گیا، وہ ابو معاذ سے معافیاں مانگنے لگ گیا، معذرت کرنے لگ گیا...... جی ہاں! ابو معاذ کے صبر، حلم اور حوصلے نے منظر بدل دیا، نقشہ بدل دیا، حالات کو الٹا کے رکھ دیا۔ ابو معاذ اس کے جسم کو بھی الٹا کے رکھ سکتا تھا، بعد میں چاہے جو بھی ہوتا ہوتا رہتا لیکن ابو معاذ نے اپنے اخلاق سے تاجر کے دل کو بدل دیا، تاجر اب کہہ رہا تھا، میرا سارا مال تیرے سامنے حاضر ہے، بولتا جا، جو ضرورت ہے مانگتا جا، میں حاضر کرتا چلا جاتا ہوں۔ ابو معاذ کامیاب ہو چکا تھا، وہ دعوت کے میدان میں تاجر کو فتح کر چکا تھا۔

وہ فنڈ اکٹھا کر چکا تھا...... اب وہ دوبارہ بوسنیا میں یہ امانتیں لے کر جا پہنچا...... وہ یہاں بھی کمانڈر تھا، برف کے دنوں میں معرکے معطل ہو چکے تھے، ابو معاذ نے اس دوران بوسنیا کے لوگوں کی ضروریات پوری کیں، وہ ان کی آنکھوں کا تارا بن گیا تھا، دعوت کا کام بھی خوب کیا...... برف کے دن گزر گئے تو معرکے دوبارہ شروع ہو گئے، ابو معاذ نے ایک بوسنوی خاتون سے شادی کا بھی پروگرام بنا لیا۔ سارے معاملات آخری شکل اختیار کر گئے۔ حتیٰ کہ شادی ہونے ہی والی تھی کہ ایک بڑا معرکہ سامنے آ گیا ابو معاذ اس معرکے میں چل پڑا کہ زندہ آ گئے تو واپسی پر شادی ہو گی۔

محاذ جنگ پر ایک روز ایک خوبصورت وادی میں ابو معاذ اپنے مجاہد ساتھی ابو العلاء یمنی رحمہ اللہ کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے عرب اور بوسنوی شہداء کے قبرستان میں چلے گئے، قبریں پہلے ہی کھود کے رکھ لیا کرتے تھے تاکہ شہداء کو دفن کرتے ہوئے آسانی رہے...... یہاں ایک جگہ پر چشمہ چل رہا تھا اور ساتھ ہی دو کھودی ہوئی قبریں تیار تھیں...... ابو العلاء یمنی جو قرآن کے حافظ تھے، قبروں کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ اگر شہادت کے بعد ان دو قبروں میں سے ایک قبر اس مسکین کو اللہ دے دے تو کیا ہی بات ہے، ابو معاذ کہنے لگے، اصل بات تو یہ ہے

کہ ہم اللہ کے راستے میں شہید ہو جائیں اور یہ شہادت اللہ کے ہاں قبول ہو جائے...... اس کے بعد دفن ہونا تو کوئی مسئلہ نہیں جہاں بھی دفن ہو جائیں۔

اگلے دن معرکے کا آغاز ہوا تو اللہ کی قدرت مجاہدین کامیاب رہے مگر ابو معاذ اور ابو العلاء یمنی دونوں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور ان دونوں کو...... مذکورہ قبروں میں دفن کر دیا گیا...... یوں اللہ نے اپنے بندوں کی زبانوں سے نکلنے والے جملوں کو پورا کر دیا...... ابو معاذ کی وصیت جب دیکھی گئی تو اس میں لکھا تھا کہ کویت میں اس کی بہت بڑی دکان...... اور اس دکان میں شہد اور شہد سے متعلق سارا کاروبار اس کے فلاں مجاہد دوست کو دے دیا جائے جو معاشی طور پر تنگی کی حالت میں ہے...... یہ تھا ابو معاذ اونچے کردار والا...... اپنے دیندار ساتھیوں کا خیال رکھنے والا...... لگتا ہے جنت کی حوریں اس کی منتظر تھیں اور وہ بازی لے گئیں دنیا کی عورت انتظار کرتی رہ گئی اور وہ حوروں کے پاس جا دولہا بنا۔ (ان شاء اللہ)

اڑھائی ماہ پرانی لاش چہرہ چاند کی طرح روشن جسم سے مہندی کی مہک آ رہی تھی

1414ھ کے آغاز کا واقعہ ہے، سعودی عرب کے شرقی علاقے سے دو جوان بحرین کی طرف روانہ ہوئے، وہ بحرین کے راستے سے بوسنیا میں جہاد کے لیے جا رہے تھے۔ جب وہ اس پل پر پہنچے جو بحرین اور سعودی عرب کے درمیان سمندر پر بنایا گیا ہے۔ تو وہاں پل پر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ٹرالر پل کے جنگلے پر لٹکا ہوا ہے۔ آدھا سمندر کی طرف جھکا اور لٹکا ہوا تھا اور نصف پل پر تھا۔ رات کے وقت یہ حادثہ پیش آیا ہی تھا کہ دونوں سعودی جوان یہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے جب یہ منظر دیکھا تو ٹھہر گئے۔ ٹرالر کے ڈرائیور کو ٹرالر سے باہر نکالا، وہ بے ہوشی کی حالت میں تھا، نکالنے والے دونوں ساتھیوں میں سے ایک نے ڈرائیور کو پہچان لیا تھا۔ اس کا نام فہد القحطانی ہے، عمر 36 سال ہے یہ اس کا محلّہ دار تھا۔ یہ داڑھی منڈا تھا، جس طرح عام طور پر ٹرکوں اور ٹرالوں کے ڈرائیور ہوتے ہیں۔ یہ بھی انھی کی طرح کا دھوش سا نوجوان تھا جو سگریٹ پیتا تھا اور باقی منکرات کا بھی رسیا تھا۔

بوسنیا جانے والے جوانوں نے اسے ہمراہ لیا، اور واپس اسے اس کے گھر چھوڑنے کے لیے روانہ ہو گئے، راستے میں جب اسے ہوش آیا تو اس نے بتلایا کہ اسے نیند آ گئی تھی جس کی وجہ سے ٹرالر جنگلے پر چڑھ کر سمندر کی جانب لڑھک گیا اور لٹک گیا...... دونوں مجاہد ساتھیوں نے اسے غسل کروایا، سب نے وضو کیا کیونکہ نماز کا ٹائم ہو چکا تھا اب تینوں نے نماز پڑھی اور پھر دونوں مجاہد...... اسے سمجھانے لگے کہ دیکھ! اگر تو اسی طرح مر جاتا تو گناہگار

زندگی میں گھرا ہوا مرتا، اب اللہ کا شکر ادا کر کہ جس رب نے تجھ پر کرم کیا، تجھے نئی زندگی عطا فرمائی۔ اب یہ زندگی بدلنی چاہیے، یہ زندگی دیندارانہ ہونی چاہیے۔ مجاہدوں کی نصیحت فہد القحطانی کے دل میں گھر کر چکی تھی...... یوں اسی طرح کی دعوتی باتیں کرتے ہوئے یہ گھر پہنچ گئے، فہد اپنے گھر میں اور مجاہدین اپنے گھر میں۔

اس کے بعد مجاہدین تو اپنے سفر پر بوسنیا روانہ ہو گئے جبکہ فہد القحطانی نے بھی اپنی زندگی کو بدل لیا، وہ ٹرالر چلانے کا کاروبار تو کرتا رہا مگر اپنے دوستوں کی غلط صحبت کو چھوڑ دیا۔ پانچ وقت کا نمازی بن گیا، داڑھی رکھ لی اور قرآن جیب میں ڈال لیا، جب موقع ملتا تو وہ قرآن کی تلاوت شروع کر دیتا۔ اس کے سابق ڈرائیور دوستوں نے کہنا شروع کر دیا، لگتا ہے یہ حکومت کی خفیہ ایجنسی کا کارندہ بن گیا ہے جو اس نے اچانک یہ روپ دھار لیا ہے...... انھیں کیا معلوم کہ وہ تو اللہ کے دین کا کارندہ بن چکا ہے۔

کئی مہینے گزر گئے...... آخر کار وہ دونوں مجاہد بوسنیا سے سلامت واپس لوٹے، اب انھوں نے کہا کہ اس نوجوان فہد القحطانی کا پتہ تو کریں کہ اس کا کیا حال ہے، دونوں دوستوں میں سے ایک فہد کے دروازے پر پہنچا، دستک دی، ساتھ ہی اسلام علیکم کہا تو جواب بھی بڑے تپاک سے ملا اور پھر جونہی فہد باہر نکلا تو مجاہد اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ تو بدل چکا ہے، اس کے چہرے سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ اب فہد اپنے مجاہد بھائی کو گھر کے اندر لے گیا...... گفتگو شروع ہوگئی۔ ضیافت اور قہوہ کے ساتھ ساتھ جہاد، بوسنیا، شہداء کی فضیلت مجاہدین کے بلند مقام وغیرہ پر بات چیت چلتی رہی...... سارا کچھ سن کر فہد کہنے لگا! جب جنت کا سب سے قریبی راستہ اللہ کے راستے میں جہاد ہے اور میرے گناہ بھی بہت ہیں تو میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے تمہاری رفاقت میں جہاد پر لے جائے۔

مجاہد نے فہد کو بتلایا کہ اس وقت تو بوسنیا کے چاروں طرف دشمن کا ایسا حصار ہے کہ وہاں جانا بہت مشکل ہے، باقی مجاہد ساتھی بھی انتظار کر رہے ہیں کہ راستہ کھلے تو وہ جہاد پر

جائیں۔ البتہ کروشیا اور سلوو ینیا کی عیسائی ریاستوں سے راستہ مل جاتا ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان دونوں ریاستوں میں عورتوں اور شراب وغیرہ کا فتنہ بہت بڑا ہے، فحاشی اس قدر عام ہے کہ کسی انسان کا بچنا وہاں بہت مشکل ہے...... فہد کہنے لگا! میں وہیں جاؤں گا اور بوسنیا جانے کی کوشش کروں گا۔ مجاہد نے کہا ان ریاستوں میں کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑ جاتا ہے۔ فہد نے کہا، سال بھر بھی وہاں انتظار کرنا پڑا تو میں انتظار کروں گا...... اب فہد نے اپنی کنیت ابودجانہ رکھ لی اور کروشیا میں جا پہنچا، کروشیا کے ایک ساحلی شہر میں اس نے ڈیرے لگائے، یہ شہر بوسنیا کی سرحد کے قریب واقع تھا۔ وہاں ایک چھوٹے سے گھر میں فہد اپنے ایک ترکی دوست کے ساتھ چھ ماہ تک رہا، راستہ تلاش کرتا رہا۔ آخر کار اسے راستہ مل گیا، وہ وہاں سے نکلا اور بوسنیا میں جا پہنچا، اس نے چھ ماہ کروشیا میں بھی اس طرح گزارے کہ وہ دعوت دین دینے میں مصروف رہا۔ اب وہ ارض جہاد میں تھا، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ یہاں پہنچ کر وہ شیخ ابوعبدالعزیز حفظہ اللہ کے قائم کیے ہوئے جہادی مرکز میں پہنچا جو زینیتیا شہر میں تھا، یہاں اس نے تربیت حاصل کی، جہاد کی عملی مشقیں کیں اور اپنے آپ کو قتال کے لیے تیار کیا۔

فہد القحطانی ابودجانہ نے یہاں پہلا معرکہ شیریشا کے علاقے میں لڑا، اس میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو فتح اور عزت و افتخار سے نوازا...... اس کے بعد ایک بڑا معرکہ ہوا، یہ معرکہ ''فیسیکو قلافا'' کے علاقے میں ہوا، ابودجانہ اس معرکے میں بھی بڑی بہادری اور دلیری سے لڑا...... الغرض! اس علاقے میں کئی معرکے لڑنے کے بعد وہ اب ٹراونک کے علاقے میں چلا گیا، اس علاقے میں بھی شیخ ابوعبدالعزیز نے جہادی مرکز قائم کر رکھا تھا...... ابودجانہ یہاں بھی جہادی کاموں میں مصروف رہا۔ پھر اس نے ایک بوسنوی خاتون سے شادی کر لی...... شادی کے بعد ابودجانہ کی ڈیوٹی بوسنیا کے شہر ''فیتز'' میں لگا دی گئی۔ یہ شہر کروشیا کی سرحد کے قریب تھا، ابودجانہ نے اس شہر کی حفاظت کا حق ادا کیا۔

ابودجانہ اب بوسنوی زبان کا ماہر ہو چکا تھا، وہ بوسنوی زبان خوب اچھی طرح بول لیتا تھا۔ یہاں اس نے بوسنوی لوگوں کی دن رات خدمت کی، انھیں کتاب وسنت کی دعوت بھی دی۔ چھوٹے بڑے خصوصاً بچے اس کے ساتھ بڑے مانوس ہو گئے۔ وہ ان سب کا محبوب بن گیا تھا...... ان ساری مساعی کے ساتھ ساتھ وہ ٹراونک بھی جاتا اور وہاں سے ہدایات لے کر واپس آ جاتا...... چھوٹے بڑے معرکے بھی جاری رہے۔ حتی کہ فلاتیج کا معرکہ درپیش ہوا، معرکے کے دوران ابودجانہ کے ہمراہ بوسنوی مجاہد مصطفیٰ بھی برسرپیکار تھا۔

فہد القحطانی اور مصطفیٰ لڑتے لڑتے کافی آگے تک چلے گئے، اور فہد القحطانی تو سربوں پر اپنی دور مار بڑی گن کے ساتھ کہ جس کے ساتھ گولہ بھی پھینکا جاتا ہے۔ فائر کرتا ہوا آگے تک چلا گیا، اتنا آگے کہ سربوں کی کھودی ہوئی خندق کے سامنے چلا گیا جو کہ اس سے صرف دس میٹر کے فاصلے پر تھی، اب وہ سربوں کے سر پر پہنچ کر ضرب لگانے ہی والا تھا کہ گولیاں آئیں اور فہد القحطانی کے سینے کو چھلنی کر گئیں...... فہد شہید ہو کر گر پڑا، فہد قحطانی کے منہ سے ایک روشنی سی نکلی، مصطفیٰ کو یقین ہو گیا کہ فہد شہید ہو گیا ہے، مصطفیٰ روتا ہوا مجاہدین کی طرف واپس بھاگا اور مجاہدین کے امیر سے کہا کہ ابودجانہ کی لاش کو فوراً اٹھانا چاہیے، نہیں تو سرب لے جائیں گے۔ امیر جہاد نے دو مجاہدوں کو روانہ کیا لیکن ایک تو وہاں سربوں کا فائر بڑا شدید تھا اور دوسرا یہ کہ سرب لاش بھی لے جا چکے تھے۔

اس معرکے کو دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا۔ ابودجانہ فہد القحطانی کی لاش سربوں کے پاس ہی تھی، پھر ریڈ کراس (سرخ صلیب) نے بوسنیا کی فوج سے رابطہ کیا تاکہ لاشوں کا تبادلہ کیا جا سکے۔ دونوں طرف سے سربوں اور بوسنوی مسلمانوں کی لاشوں کے تبادلے کی فہرست مرتب ہوئی، بوسنوی مسلمانوں کی لاشوں میں عربی مجاہد کا نام بھی دیا گیا...... اب عرب مجاہد کی لاش کو پہچاننے کے لیے مجاہدین کے امیر کے ساتھ چند اور مجاہد بھی گئے۔ مجاہدین کے امیر کہتے ہیں کہ ہم لاشوں والی جگہ پر گئے تو وہاں نئی پرانی بے شمار لاشیں تھیں۔

ایک طرف سربوں کی لاشیں تھیں۔ بوسنوی مسلمانوں کی بھی تھیں۔ سربوں کی لاشیں جو نئی تھیں یعنی قتل ہوئے ایک دو دن ہی ہوئے تھے۔ ان کا بھی حال یہ تھا کہ انتہائی مکروہ قسم کی بدبو اٹھ رہی تھی اور شدت کے ساتھ پھیل رہی تھی۔ اب میں ان لاشوں کے درمیان اپنے پر بڑا ضبط اور جبر کر کے آگے بڑھتا چلا گیا حتی کہ ایک لاش کو دیکھا، اس پر لکھا ہوا تھا ''عرب''

میں نے اور میرے ساتھیوں نے اس لاش کو جو چٹیل جگہ پر پھینکی ہوئی تھی، اٹھا کر لے آئے۔ یہ لاش نیلن کے ایک تھیلے میں بندھی اور اوپر سے رسیوں کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ سرب فوج کی طرف سے ہمیں بتلایا گیا کہ اس علاقے میں بوسنوی لوگوں کی لاشوں کے ساتھ یہی ایک عرب کی لاش ہے جس پر ہم نے ''عرب'' لکھا ہوا ہے۔ یہ لاش سرد خانے میں بھی نہ رکھی گئی تھی بلکہ ایک میدان میں پھینکی ہوئی تھی، ہم اس کو اٹھا کر لے آئے جیسی بندھی ہوئی تھی ویسی ہی لے آئے۔

اب قبر کھود دی گئی اور دفن کا وقت آ گیا، ہم نے اسے بالکل نہیں کھولا، جب قبر کے قریب کیا تو سر کی جانب جو رسی تھی میں نے اسے کھول کر چہرہ دیکھنے کا ارادہ کیا، لیکن ذہن میں خیالات آنے لگے، مجاہد ساتھیوں نے بھی سوچنا شروع کر دیا کہ کھولیں گے تو نہ جانے کیا منظر ہوگا...... اڑھائی ماہ کے بعد کیا کیڑوں نے لاش کو کھایا ہوگا، جسم کی حالت بدل گئی ہو گی، کیا کھال پھٹ گئی ہوگی، کھولیں گے تو بو آئے گی...... کس قدر آئے گی...... یہ اور اس طرح کے کتنے ہی خیالات دماغ میں تیزی کے ساتھ گردش کرتے چلے جا رہے تھے کہ بالآخر خیالات کے اس گھمسن گھیر میں...... میں نے رسی کو کھولنا شروع کر دیا، میرا ہاتھ کانپنے لگا، جسم بھی کانپنے لگ گیا...... کانپتے اور لرزتے ہوئے جب میں نے قحطانی کا چہرہ ننگا کیا تو وہ چاند کی طرح چمک رہا تھا، چہرے پر سیاہ داڑھی باوقار لگ رہی تھی...... جسم میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی اور جسم سے مہندی جیسی مہک اٹھ رہی تھی...... میں جو کہہ رہا ہوں اس پر اللہ بھی گواہ ہے اور وہ مجاہدین جو اس موقع پر موجود تھے وہ بھی گواہ ہیں کہ منظر یہی تھا...... اڑھائی ماہ گزرنے

کے بعد کچھ بھی نہ بدلا تھا، حتیٰ کہ اس کے جسم کی مہک بھی۔

ابودجانہ فہد القحطانی نے بوسنوی خاتون سے جو شادی کی، اللہ تعالیٰ نے اس خاتون سے فہد القحطانی کو بیٹی عطا فرمائی، اس بیٹی کا نام ''نورہ'' ہے، اس بچی کی اس وقت عمر آٹھ نو سال کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نورہ کو اپنے باپ کی طرح نور ہدایت سے منور فرمائے اور فہد القحطانی کو جنت الفردوس عطا فرمائے (آمین)

جرمن بیوی نے اپنا شوہر بوسنیا روانہ کر دیا

دو افغان میاں بیوی نے افغانستان کو چھوڑا اور جرمن میں جا آباد ہوئے ...... ان کا بیٹا وہیں پلا بڑھا۔ تعلیم پائی اور جوان ہوا۔ ماں باپ خود اچھے مسلمان تھے اس لیے ان کا بیٹا بھی اچھی تربیت لیتے ہوئے بالغ ہوا۔ ماں باپ نے اپنے بیٹے کی شادی ایک جرمن لڑکی سے کی جو مسلمان ہو چکی تھی۔ یہ جرمن لڑکی اس قدر نیک لڑکی تھی کہ اس کے اعمال صالحہ دیکھ کر صحابیات یاد آتی تھیں۔ اس لڑکی نے جرمن میں اپنا ایک حلقہ بنایا وہاں بچیوں کو قرآن حفظ کرایا جاتا۔ دین کی تعلیم دی جاتی اور دعوت اسلامی کا اہتمام بھی کیا جاتا۔

اس لڑکی کو اللہ تعالیٰ نے ایک بچی عطاء فرمائی۔ اس بچی کا نام مریم رکھا گیا ...... بچی کی ماں نے اپنی کنیت ام مریم رکھ لی اور خاوند ابو مریم بن گیا۔

ابو مریم کے والدین کے ملک افغانستان میں روسی آ چکے تھے۔ جہاد جاری تھا۔ ابو مریم نے ماں باپ سے اجازت لی۔ بیوی کو الوداع کہا اور افغانستان چلا آیا۔ یہاں وہ معرکوں میں شامل ہو کر برسر پیکار رہا...... اور جب روسی یہاں سے بھاگ نکلے تو ابو مریم واپس جرمنی چلا گیا ...... اس کے بعد جب بوسنیا میں جہاد کا آغاز ہوا تو ابو مریم نے اپنے والدین سے بوسنیا جانے کی اجازت طلب کی۔ والدین نے اجازت نہ دی۔ ابو مریم کوشش کرتا رہا مگر والدین نہ مانے۔ آخر کار ابو مریم نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اپنے سسر اور ساس کو منائے۔

اب جرمن نو مسلم نے اپنے سسر اور ساس کو قائل کرنا شروع کیا ...... کہ جو جہاد افغانستان میں تھا وہی جہاد بوسنیا میں ہے۔ افغانستان میں روسی آرتھوڈکس صلیبی آئے تھے تو بوسنیا میں بھی

وہی آرتھوڈکس صلیبی آئے ہیں۔ لہٰذا آپ ابومریم کو جانے دیں...... آخر کار ام مریم نے اپنی ساس اور سسر کو قائل کر لیا اور اپنے خاوند سے ایک روز کہا میں نے والدین کو منا لیا ہے۔ اب آپ جانے کی تیاری کریں...... اور پھر بیوی نے اپنے خاوند کو تیار کر کے بوسنیا روانہ کر دیا۔ ابو مریمؓ نے اپنا ایک اور ساتھی بوسنیا جانے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ یہ بھی افغانی تھا اور جرمنی میں آباد تھا۔ یہ ابو حذیفہ افغانی تھا...... یوں ابو مریم افغانی اور ابو حذیفہ افغانی بوسنیا روانہ ہو گئے۔

بوسنیا میں فیسیکو کے محاذ پر جہاد خوب گرم تھا۔ ان دنوں برف باری ہو رہی تھی۔ ابو مریم اپنے ساتھی ابو حذیفہ کے ساتھ یہاں برسرپیکار ہو گیا...... ایک دن مجاہدین نے موت پر بیعت کر کے خوب حملہ کیا۔ اللہ اکبر کے نعرے لا الہ الا اللہ کے آوازے اور پھر سفید برف میں مجاہدین کا پاکیزہ سرخ خون شامل ہوتا چلا گیا اور ''یاش شہر'' فتح ہو گیا...... اس فتح کے دوران ابو مریم کا سینہ سربوں کی گولیوں سے چھلنی ہو گیا...... ام مریم کا خاوند ابو مریم اپنے رب کے پاس پہنچ گیا...... وہ یورپ کی نیک اور گوری بیوی چھوڑ کے گیا۔ اللہ نے اسے 72 گوری حوروں سے نوازا ہوگا۔ انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ۔

بوسنوی خاتون نے خاوند کے صلیبی قاتل کو خنجر مار مار کے مار دیا:

قطر کا رہنے والا یہ ابو معاذ ہے...... صاحب حیثیت مالدار خاندان کا فرزند ارجمند ہے۔ دنیا دار نوجوان تھا۔ تبلیغی جماعت کے ذریعے اللہ نے اسے دیندار بنا دیا۔ وہ دعوت وتبلیغ کے لیے پاکستان آیا۔ جب وہ قطر سے پشاور آیا......تو ڈرائیور سے کہا، عربوں کے پاس لے چل ...... ڈرائیور اسے ان عربوں کے پاس غلطی سے لے گیا جو عرب انصار کے نام سے مجاہدین تھے۔ ابو معاذ کا استقبال وہاں مجاہدین نے کیا اور پوچھا کہ جناب کو کس سے ملنا ہے؟ ابو معاذ نے کہا: اللہ کے راستے میں نکلا ہوں اور تمھارے پاس اسی مقصد کے لیے آیا ہوں۔ ابو معاذ اللہ کے راستے میں نکلنے کا مطلب دعوت تبلیغ لے رہا تھا اور عرب مجاہدین کے ہاں اس جملے کا

مطلب جہاد وقتال کے لیے نکلنا تھا...... لفظ ایک تھا مطلب الگ الگ ...... مگر ابو معاذ جہاد و قتال کی طرف چلا جا رہا تھا۔ وہاں ابو معاذ کی طبیعت اور دل کو سکون ملا ...... وہ سمجھا، اللہ کو یہی منظور تھا۔ میں ٹھیک جگہ پر آ گیا ہوں ...... اور پھر وہ افغانستان جا پہنچا۔ لڑتا رہا روسی دھریوں کے خلاف ...... اور جب روسی بھاگ اٹھے تو وہ واپس قطر چلا گیا...... پھر اسے جہاد و قتال میں ایسا مزہ آیا کہ وہ جہاد وقتال کے میدانوں کو یاد کر کے اداس ہو جاتا ...... بوسنیا کا محاذ کھلا تو ابو معاذ کھل اٹھا اور وہ فٹ سے بوسنیا جا پہنچا۔ جہاد بوسنیا کے آغاز میں کروشیا کے صلیبیوں نے بھی بوسنوی مسلمانوں پر خوب ظلم کیا تھا۔ محاصرہ بھی کیا تھا۔ ابو معاذ انہی دنوں میں بوسنیا پہنچا تھا۔

ایک روز عرب مجاہدین بوسنیا کے بھائیوں کے ایک مقامی فنکشن میں شریک ہونے کے لیے گئے۔ ابو معاذ بھی اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہوا...... غلطی سے ڈرائیور کروشیا کے علاقے میں چلا گیا۔ وہاں ہر طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی اور پھر یہ سارے مجاہد ساتھی گرفتار کر لیے گئے اور جیل میں پہنچا دیئے گئے۔ یہ ساتھی چار ماہ تک جیل کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

اس دوران مجاہدین کے بڑے کمانڈر لیث مصری ہر وقت پروگرام بنایا کرتے کہ ان پانچ بھائیوں کو کیسے رہا کروایا جائے...... آخر کار انھوں نے ایک منصوبے کے تحت کروشیا کے ایک انتہائی اہم صلیبی لیڈر کو اٹھا لیا...... اس کا نام بارقہ امل تھا...... اس صلیبی لیڈر کے بدلے میں لیث مصری نے اپنے پانچ مجاہد ساتھیوں کو رہا کروا لیا۔

ابو معاذ قطری کے لیے وہ منظر بڑا دلربا تھا جب انھوں نے ایک معرکے کے دوران اس سرب فوجی افسر کو گرفتار کر لیا جس نے بوسنیا کے ایک گاؤں میں رہنے والوں کو قتل کیا تھا۔ اس افسر کو ایک بوسنوی کی بیوی نے پہچان لیا جس کے خاوند کو اس نے قتل کیا تھا...... مجاہدین نے اس خاتون سے کہا کہ تو اپنے ہاتھ سے بدلہ لے لے۔ لوگ جمع ہو گئے اللہ کی حمد وثناء بیان

ہو رہی تھی ...... بوسنوی خاتون اٹھی اور خنجر سے اسی طرح اس ظالم افسر کو چیر پھاڑ کے رکھ دیا جس طرح اس ظالم نے مظلوموں پر ظلم کیا تھا۔

ابو معاذ بتلایا کرتے تھے کہ جب وہ جیل میں تھے تو سربوں کو جب بھی مجاہدین کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑتی...... وہ جیل میں آ کر ہم پر تشدد کرتے اور ہزیمت کا بدلہ ہم سے لیتے۔ بعض اوقات ہمیں وہ فلمیں دکھاتے کہ جن میں ان ظالموں نے مسلمان عورتوں اور بچوں پر ظلم کر کر کے انھیں شہید کیا ہوا تھا...... وہ یہ فلم چلا دیتے اور ہمارے سروں پر گن بردار کھڑا کر دیتے کہ اگر تم نے سکرین سے اپنی نظر ہٹائی تو ساتھ ہی زندگی سے محروم ہو جاؤ گے۔

الغرض! اللہ کا یہ شیر ابو معاذ قطری آخر کار ایک معرکے میں لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

جب اللہ نے انھیں اندھا کر دیا

سعودی عرب کا شہر ''طائف'' وہی شہر ہے جہاں کے لوگوں نے جناب رسول کریم ﷺ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے آخر کار انگوروں کے ایک باغ میں پناہ لی تھی ...... وہاں جب عداس کے ہاتھوں انگور کا خوشہ کھا کر بے بسی کی حالت میں اپنے رب کے حضور نالے کرتے ہوئے بے سمت چلے جا رہے تھے تو حضرت جبریلؑ نمودار ہوئے اور آپ ﷺ کو آواز دے کر کہا!

اے محمد! ﷺ یہ پہاڑوں کا فرشتہ ہے۔ اللہ نے آپ کی فریاد کو سن لیا ہے ...... آپ جو چاہیں اسے حکم دیں ...... اس کے ساتھ ہی پہاڑوں کا فرشتہ نمودار ہوا اس نے عرض کی! اگر حکم ہو تو میں مکہ کے دو پہاڑ اٹھا لوں اور ان کے درمیان طائف کو رکھ کر چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آٹے کی طرح پیس کر رکھ دوں ...... رسول کریم ﷺ نے کچھ یوں فرمایا: ''نہیں نہیں ...... یہ نہ سہی تو اللہ ان کی اولادوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس دین کے پاسبان بنیں گے۔''

قارئین! سمیر شیتی ...... اسی طائف کا رہنے والا ہے۔ لگتا ہے انہی لوگوں کی اولاد ہے جنھوں نے رسول کریم ﷺ کو لہولہان کیا تھا۔ رسول کریم ﷺ کی دعا کے شگوفے 14 سو سال بعد آج بھی کس طرح کھل رہے ہیں کہ سمیر شیتی جو بڑا دلیر اور کڑیل جوان تھا۔ انہی غفلتوں اور گناہوں کا شکار تھا جن میں پیسے والے نوجوان عموماً ہوا کرتے ہیں ...... پھر ایک اللہ کا بندہ اسے ملا ...... راہنمائی کی اور اس کی زندگی بدل گئی ...... اب اس کی عمر 19 سال تھی۔

وہ دن رات جہاد کے لیے تڑپ رہا تھا...... وہ رسول کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی پاسبانی کرتے ہوئے اپنی جان قربان کرنا چاہتا تھا...... وہ بوسنیا میں دن رات ایک کر کے جانے کی کوششیں کرنے لگ گیا حتیٰ کہ وہ کامیاب ہو گیا اور بوسنیا جا پہنچا۔ وہاں وہ اس وقت تک لڑتا رہا جب تک کہ بوسنیا میں جہاد و قتال ختم نہیں ہو گیا، وہ غازی بن کر واپس لوٹا۔

اب اس نے سنا کہ ''کوسووا'' میں جہاد شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ ''کوسووا'' میں جانے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ آخر کار وہ کوسووا جانے کے لیے کوسووا کی پڑوسی ریاست ''مقدونیہ'' میں جا پہنچا...... وہاں سے سمیر شبیتی نے ایک مقامی شخص کو گائیڈ کے طور پر ہمراہ لیا اور پروگرام بنا لیا کہ ہم مقدونیہ سے نکل کر کوسووا میں داخل ہوں گے...... ٹیکسی لی اور دونوں بارڈر کی طرف چل دیئے۔ بارڈر کے بالکل قریب پولیس کی چیک پوسٹ تھی۔ چیک پوسٹ والوں نے روکا اور ٹیکسی والے نے گاڑی روک لی۔ یہ پولیس والے سرب تھے۔ مقدونی تھے اور صلیبی تھے۔ سمیر شبیتی جس کی کنیت ابو مصعب تھی۔ اس کا پاسپورٹ اور دیگر کاغذات ڈرائیور کے پاس تھے تاکہ وہ ضرورت پڑنے پر پولیس کو دکھائے اور چل دے۔

صلیبی مقدونی اور سربی افسر نے ٹیکسی ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ اس عربی کو لے کر سامنے والے تفتیشی کمرے میں لے جا کر ہمارے حوالے کر دے۔ ٹیکسی والا ابو مصعب کو لے کر ادھر کو بڑھا تو ابو مصعب نے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا حکم دیا۔ ڈرائیور نے گاڑی کو روکنے کی بجائے جلدی کرنے کی کوشش کی تو ابو مصعب جو پیچھے بیٹھے ہوئے تھے فوراً آگے بڑھ کر ڈرائیور کے ہاتھوں کو پکڑا اور قوت کے ساتھ گاڑی کو روک دیا...... پھر اس کے ہاتھ سے اپنا پاسپورٹ چھین لیا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر بھاگ کھڑا ہوا...... اب پولیس اس کے پیچھے پیچھے اور اللہ کا شیر آگے آگے...... تھوڑے فاصلے پر آبادی تھی۔ ابو مصعب اس آبادی میں چھپ گیا...... اب دشمن کا ملک۔ دشمنوں کی آبادی۔ نہ زبان۔ نہ رنگ۔ نہ نسل کچھ بھی تو ہم آہنگ نہ تھا۔ نہ شہر کی گلیاں واقف نہ کوئی گھر اور نہ کوئی فرد و بشر۔ اب پولیس نے سارا علاقہ ہر طرف سے گھیر لیا۔ ہر جانب پولیس ہی پولیس تھی...... اور یہ اللہ کا شیر بے یار و مددگار

اور پردیسی ایک اکیلا تھا...... مگر اللہ اس کے ساتھ تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنے بے یارومددگار بھائیوں کی مدد کے لیے چل کے آیا تھا...... اب اس کے پاس آخری ایک ہی چارہ تھا۔ سو وہ چارہ اس نے چلایا...... اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور لگا اپنے اللہ سے دعا کرنے ...... اپنے اللہ سے اس نے جو آخری بات کہی وہ ایک عہد تھا...... اس نے یوں باندھا!

اللھم لئن انجیبتنی من ھذا الموقف لا جاھدن فی سبیلك حتیٰ القاك

''اے میرے اللہ! اگر مجھے یہاں سے نجات عطاء فرما دے تو یہ عہد رہا کہ میں تیرے راستے میں اس وقت تک جہاد کروں گا جب تک کہ تجھ سے ملاقات نہ کر لوں۔''

یہ دعا کرنا تھا کہ اللہ نے سرب مقدونی صلیبوں کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ ابومصعب کو دیکھ نہ سکے اور ابومصعب اور اس کا گائیڈ دونوں ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب یہ دونوں سرحد پر پہنچے تو وہاں دونوں ملکوں کے سربی سرحدی محافظ نے دونوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ یہ بھاگ اٹھے تو محافظ نے فائر شروع کر دیا...... فائر گائیڈ کو لگا اور وہ وہیں مارا گیا جبکہ ابومصعب بھاگتے ہوئے آگے چلا گیا...... وہاں سے اللہ نے اسے مجاہدین کے ساتھ ملا دیا۔

ابومصعب اب کوسووا میں جہاد کرنے لگ گیا۔ اللہ نے اس سے اپنے دین کی پاسبانی کا خوب کام لیا۔ کوسووا کے لوگ ابومصعب کا اخلاق اور کردار دیکھ کر اس کے گرویدہ بن گئے۔ مجاہدین میں اسے اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ وہ انتہائی دلیر تھا۔ اب وہ مجاہدین کا کمانڈر تھا...... اس نے ایک دن پروگرام بنایا کہ سربوں کے فوجی علاقے میں جا کر وہ فلاں سربی افسر کو ذبح کر کے آئے گا کہ جس نے کتنے ہی مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ یہ افسر جرنیل تھا۔ اس نے کتنی ہی مسلمان بستیوں کو آگ لگا کر خاکستر کیا تھا اور عورتوں، بچوں تک کو جلا ڈالا تھا...... ابومصعب نے اعلان کیا کون ہے جو موت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اور میرے ساتھ جاتا ہے؟ چند مجاہدین تیار ہو گئے۔ ابومصعب نے ان کو ساتھ لیا اور ریکی مکمل

کرنے کے بعد ایک رات وہ چل دیا...... وہ سربوں کے علاقے میں کافی آگے تک چل کر گئے ...... اب ان کی چھاؤنی میں داخل ہوئے۔ جرنیل کے ٹھکانے پر پہنچے، وہاں ہلکا سا معرکہ ہوا۔ جس پر مجاہدین نے قابو پا لیا اور یہ سیدھے اس جرنیل کے کمرے میں جا پہنچے جہاں وہ سویا ہوا تھا۔ اللہ کے شیر ابو مصعب نے جرنیل کو دبوچ لیا...... خنجر نکالا اور ظالم سربی جرنیل کو ذبح کر کے اس کا سر کاٹ لیا...... اور رات کے اندھیرے میں مجاہدین کا یہ دستہ ابو مصعب کی قیادت میں کامیاب و کامران واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

ابو مصعب اپنے رب سے کیے ہوئے عہد کے مطابق یہیں رہا حتیٰ کہ کسووا کا جہاد بھی اختتام کو پہنچا۔ اب ابو مصعب واپس گھر آیا اور پھر چیچنیا کی طرف چل دیا...... چیچنیا میں پہنچنے کے لیے وہ چیچنیا کی پڑوسی عیسائی ریاست ''جارجیا'' میں پہنچا...... لیکن جارجیا کی پولیس نے یہ کیا کہ ابو مصعب کو ایئرپورٹ سے ہی پکڑ لیا...... اور ہوٹل میں لا کر ٹھہرا دیا۔ انھوں نے کہا، تم ہمارے ملک میں نہیں رہ سکتے تمھیں اگلی پرواز پر واپس سعودیہ جانا ہوگا۔ اب ابو مصعب سوچنے لگ گیا کہ ہوٹل کے کمرے سے بھاگ جائے چنانچہ اس نے موقع پایا تو وہ کمرے سے بھاگ کھڑا ہوا...... ہوٹل سے نکل گیا اور غائب ہو گیا...... اللہ نے مدد کی اور آخر کار وہ جارجیا سے چیچنیا میں جا داخل ہوا...... وہاں چیف کمانڈر ابن خطاب شہید نے جب اسے اپنے سامنے دیکھا تو انتہائی خوش ہوا۔ ابو مصعب توپ چلانے کا بڑا ماہر تھا چنانچہ ابن خطاب نے اسے پہاڑ کی چوٹی پر توپ کا انچارج بنا دیا۔ ابو مصعب نے یہاں کتنے ہی روسی ٹینکوں، ہیلی کاپٹروں اور ان کے لشکروں کو تباہ کیا۔

ابو مصعب ایک بار مجاہدین کے ساتھ ایک ایسے علاقے میں تھا جہاں روسیوں نے بارودی سرنگیں بچھائی ہوئی تھیں ...... ابو مصعب سرنگیں صاف کرنے کا بھی ماہر تھا وہ سرنگیں صاف کر رہا تھا کہ ایک ایسی بارودی سرنگ جو دوسری کے ساتھ ملی ہوئی تھی ...... وہ خود تو ناکارہ ہو گئی لیکن دوسری پھٹ گئی اور اس کے پھٹتے ہی ابو مصعب اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے...... اور اللہ سے جو انھوں نے عہد کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

مجاہدین نے "سرائیوو" اور ہوائی اڈے کے درمیان پہاڑ کے نیچے سرنگ نکال کر محاصرے کا توڑ کر لیا

بوسنیا کے لشکر اور مجاہدین نے مل کر معرکے لڑے اور سربوں کی فوج سے سرائیوو شہر کا ہوائی اڈہ چھین لیا۔ شہر ابھی تک سربوں کے محاصرے میں تھا۔ سرب صلیبیوں کے ساتھ کروشیا کے صلیبی بھی اس محاصرے میں ان کے ساتھ تھے۔ چنانچہ محاصرہ طویل ہو گیا اور شہر کے اندر مسلمان شہریوں کی زندگی دن بدن تلخ ہوتی چلی گئی۔

ہوائی اڈہ شہر سے دور تھا۔ یہ سارا پہاڑی علاقہ ہے۔ ہوائی اڈے کے پیچھے تو پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے جو بارہ کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے کو ایقمان کا پہاڑی سلسلہ کہا جاتا ہے۔ یہاں بارش بکثرت ہوتی ہے اور دھند بھی چھائی رہتی ہے۔ شہر اور ہوائی اڈے کی صورتحال بھی یہی ہے...... اب یہ سارا پہاڑی سلسلہ سربوں کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمانوں کے پاس اس سلسلے میں صرف ایک چوٹی تھی اور اس چوٹی کے پیچھے تنگ پہاڑی راستے تھے جو کونتیس اور موستار کے بوسنوی شہروں کی طرف ہی نہیں بلکہ بوسنیا کے باقی حصوں کی طرف بھی جاتے تھے۔ مزید برآں! اس چوٹی کے پیچھے ایک ایسی سمت بھی تھی کہ اس طرف سے سرائیوو شہر جایا جا سکتا تھا۔ اس جانب کوسونیا اور بوتمیر کا علاقہ بھی تھا۔

الغرض! ہوائی اڈے اور شہر کے درمیان پہاڑی سلسلہ تھا جس پر سرب قابض تھے۔ شہر بھی ان کے محاصرے میں تھا۔ مجاہدین اب اس سوچ میں تھے کہ ہوائی اڈے اور شہر کو ملانے

کے لیے پہاڑی سرنگ کھود لی جائے..... اس تجویز کو سب نے پسند کیا..... طے یہ پایا کہ سرنگ کا آغاز دونوں طرف سے کیا جائے۔ شہر کی طرف سے بھی اور ہوائی اڈے کی طرف سے بھی اور درمیان میں ایک جگہ جا کر دونوں سرنگیں ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں تاکہ کام جلد ہو اور آسانی بھی رہے..... یہ منصوبہ جب طے پا گیا تو دو مجاہدین کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر رات کے وقت سربوں کے محاصرے میں سے گزر کر شہر میں داخل ہوں اور صدر بوسنیا علی عزت بیگووچ کے سامنے یہ منصوبہ رکھیں..... چنانچہ دو مجاہدین اللہ کا نام لے کر رات کے وقت سربوں کے محاصرے میں سے گزر کر شہر میں داخل ہو گئے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو شہر میں نہ بجلی تھی اور نہ کوئی بندہ..... ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ مجاہدین سیدھے ایوان صدر کی طرف گئے۔ وہاں ان کی ملاقات صدر کے بیٹے باقر علی سے ہوئی۔ باقر علی انجینئر تھے۔ مجاہدین نے باقر علی کے سامنے منصوبہ رکھا..... باقر علی کے بعد یہ منصوبہ علی عزت بیگووچ کے سامنے گیا اور بالآخر اس منصوبے پر عمل کا آغاز کر دیا گیا۔

بوسنیا کے انجینئر، عام لوگ اور مجاہدین نے مل کر دونوں جانب سے سرنگ کو کھودنا شروع کر دیا۔ اب ہوائی اڈے کی طرف سے بھی سرنگ کھودی جا رہی تھی اور بوتمیر کے گاؤں کی جانب سے بھی کھودی جا رہی تھی۔ اس گاؤں پر مسلمانوں کا غلبہ تھا اور اس کے ساتھ وہ واحد چوٹی تھی جس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ باقی تمام پہاڑی چوٹیوں پر سربوں کا قبضہ تھا۔ یہ سرنگ زمین کی سطح سے دو میٹر نیچے کھودی جا رہی تھی۔ سرنگ کھودنے میں چار پانچ ماہ کا عرصہ لگ گیا لیکن بالآخر وہ وقت آ گیا جب دونوں جانب کی ٹیمیں اپنی اپنی سمت سے کھدائی کرتے کرتے درمیان میں ایک نقطے پر جمع ہو گئیں۔ دونوں ٹیمیں مل گئیں اور سرنگ کی کھدائی مکمل ہو گئی۔ سرنگ میں بوسنوی انجینئروں اور مجاہدین نے ایک چھوٹی سی ریلوے لائن بچھا دی جس پر کوئلے سے چلنے والا ایک ہلکا سا انجن چھوٹے چھوٹے ڈبوں کو لے کر چلتا تھا اس کے ذریعے ہوائی اڈے اور سرائیوو شہر کا رابطہ بحال ہو گیا۔ ادھر ہوائی اڈہ کو اقوام متحدہ نے اپنی تحویل میں لے لیا اور یہاں سے اس کے جہاز اڑنے لگے۔ یوں ہوائی اڈے پر آنے والی

امداد سرائیوو کے باسیوں تک پہنچنے لگی نیز زخمی لوگوں کو بھی دونوں طرف سے منتقل کرنے کا کام آسان ہوگیا۔ زندگی رواں دواں ہوگئی۔ سرنگ میں لائن بچھانے کی تجویز جنرل ابوایمن مصری کی تھی۔ اللہ کے اس مجاہد بندے نے تجویز بھی دی اور پھر اس پر عمل کر کے بھی دکھلا دیا۔ اللہ ان کا یہ عمل قبول فرمائے اور حسنات میں شامل فرمائے۔

اب ایک اور تجویز بھی سامنے آئی وہ یہ تھی کہ بوسنیا کے صدر علی عزت بیگووچ کو ''سرائیوو'' سے باہر نکلنا چاہیے اور دنیا کے مختلف ملکوں کے دورے کر کے دنیا کو حالات سے باخبر کرنا چاہیے۔ امداد کا بھی طالب ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے بوسینا کے صدر علی عزت بیگووچ ایوان صدر سے نکلے اور سرنگ کے راستے سے ایئرپورٹ پہنچے وہاں سے بوسنیا کو چھوڑ کر دنیا کے دورے پر نکلے۔ ان کے اس دورے کا فائدہ یہ ہوا کہ دنیا کو بوسنیا کے احوال اور مظالم کا پتہ بھی چلا۔ مدد بھی ہوئی اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ کروشیا کے کیتھولک صلیبیوں نے بوسنیا کے ساتھ جنگ بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ یوں اب میدان میں ایک دشمن باقی رہ گیا یہ اصل دشمن تھا۔ عیسائیوں کے سخت گیر اور متعصب ترین فرقے آرتھوڈکس کا پیروکار سربیا کا ملک اور اس کے ساتھ جنگ جاری تھی۔

میرے مجاہد بھائی! شادی کرنا چاہتے ہیں تو...... میری بہن حاضر ہے

الجزائر نام کا ملک براعظم افریقہ کے مغربی حصے میں واقع ہے۔ الجزائر کا شہر ''بن بادیس'' ملک کے چند بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ صلاح الدین یہیں کا رہنے والا ہے، شادی شدہ ہے دو خوبصورت اور گورے چٹے بیٹوں کا باپ ہے۔ نیک اور دیندار گھرانے سے صلاح الدین کا تعلق ہے..... صلاح الدین اکثر مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں سوچتا رہتا تھا..... خاص طور پر افغان مسلمانوں کے بارے میں کہ روس نے وہاں اپنی افواج داخل کر دی تھیں چنانچہ صلاح الدین نے اپنا ملک، اپنا شہر، اپنی بیوی اور دو ننھے منے بیٹے چھوڑے اور افغانستان میں جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

پشاور میں شیخ عبداللہ عزام کے پاس پہنچا اور پھر ٹریننگ پر روانہ ہو گیا..... تربیت کی تکمیل کے بعد محاذ پر ڈٹ گیا..... وہ کئی سال تک روسی فوجوں کے خلاف لڑتا رہا..... جب روسی افواج یہاں سے بھاگ اٹھیں تو صلاح الدین بھی یہاں سے نکلا اور دنیا کے ملکوں میں گھومتا ہوا..... بالآخر بوسنیا جا پہنچا، بوسنیا ہی اس کی منزل تھی کہ اب اسے یہاں برسرپیکار ہونا تھا۔

صلاح الدین اپنے امیر کی اطاعت کرنے میں انتہائی مخلص تھا، نوافل کثرت سے ادا کرتا، اللہ کے ڈر سے بات بات پر آنسو بہا دیتا، مجاہد ساتھیوں کی خدمت میں پیش پیش رہتا،

دل کا انتہائی صاف تھا، اسی لیے بوسنیا میں اس کے ساتھیوں کو یقین تھا کہ لگتا ہے صلاح الدین پہلے ہی معرکے میں شہید ہو جائے گا لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بوسنیا میں بدر کا معرکہ جو بڑا مشہور معرکہ ہے، صلاح الدین اس معرکے میں شامل تھا...... اس معرکے میں صلاح الدین کا دوست اور استاذ ذوالنورین شہید ہو گیا جبکہ صلاح الدین زخمی...... اس کی ٹانگ پر گولی لگی جس سے ران کی ہڈی ٹوٹ گئی...... مجاہدین نے صلاح الدین کو زینتیا کے ہسپتال میں پہنچا دیا۔ ٹھیک ایک ماہ بعد بوسنیا میں بھی جہاد کا اختتام ہو گیا۔ صلاح الدین کو جب ہسپتال میں یہ خبر پہنچی تو وہ غمزدہ ہو گیا۔

صلاح الدین کے مجاہد ساتھی نے جب اس کی غمزدگی کو دیکھا تو اسے مشورہ دیا کہ وہ جونہی ٹھیک ہو جائے تو یہیں بوسنیا میں باقی کئی ساتھیوں کی طرح شادی کر لے اور یہیں قیام کر لے...... یہ سن کر صلاح الدین کہنے لگا، بالکل نہیں، اللہ کی قسم! میں جونہی ٹھیک ہوا بوسنیا چھوڑ دوں گا، یہاں سے ترکی جاؤں گا اور وہاں سے زمین کے اس حصے پر جاؤں گا جو اللہ نے میرے مقدر میں لکھا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ اس وقت چیچنیا کے معرکے شروع ہو چکے تھے۔ صلاح الدین چیچنیا جانے کا عزم لیے ہوئے تھا۔ بہرحال وہ جونہی ٹھیک ہوا تو ترکی کی جانب روانہ ہو گیا وہ اب لنگڑا کے چلتا تھا...... اس کا ایک پاؤں بھی ناکارہ ہو گیا تھا۔ صلاح الدین نے یہ پاؤں لوہے کا لگوا لیا تھا۔

ترکی کے شہر استنبول کی سڑک پر صلاح الدین لنگڑا کر چل رہا تھا۔ آج اس کا دل یہ سوچ سوچ کر کرچی کرچی ہوئے چلا جا رہا تھا کہ نہ تو وہ الجزائر میں واپس جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ وہاں حکومت اسے جہاد کے جرم کی وجہ سے برداشت نہ کرے گی۔ وہاں اس کی سزا موت ہے یا ہمیشہ کے لیے جیل کی سلاخیں...... اس کے پاس نا تو پیسے ہی ہیں کہ اپنے پروگراموں پر عمل پیرا ہو سکے۔ وہ معذور بھی ہے، جہاد کا ارادہ بھی پختہ ہے مگر یہ عذر آڑے آ رہا ہے، غریب الدیار اور پردیسی بھی ہوں۔ جاؤں تو کہاں جاؤں...... کروں تو کیا

کروں.....؟ زمین اس پر باوجود وسیع ہونے کے تنگ ہوگئی تھی۔ بن بادیس میں بیوی اور دو بچوں کے دیکھنے کو آنکھیں بھی ترس گئی تھیں مگران کا دیدار تو اب ناممکن ہے.....ان کی یاد پر کوئی پابندی نہیں.....مگر یہ یاد کس قدر تکلیف دہ ہے؟.....صلاح الدین ہی اسے جانتا ہے جس پر یہ سب کچھ بیت رہا ہے۔

صلاح الدین سڑک پہ یہی سوچیں سوچتا چلا رہا تھا کہ ایک ترک مجاہد جو بوسنیا میں اس کے ساتھ شامل جہاد تھا..... نے دیکھ لیا، ترک مجاہد اب صلاح الدین کی طرف دوڑا، سلام کہا اور چھپا مار لیا..... حال احوال پوچھے اور کہا کہ میرے ساتھ چلو.....کل ہی میرا ولیمہ ہے۔ میرا گھر تمہارا ٹھکانا ہے۔صلاح الدین نے دعوت قبول کر لی اور ساتھ چل دیا، گھر پہنچ گیا۔

ترک مجاہد نے اپنے گھر والوں کے سامنے صلاح الدین کا تذکرہ کیا.....اس کے احوال سے باخبر کیا، ترک مجاہد کی بہن جو جہاد اور مجاہدین سے محبت کیا کرتی تھی۔ اس نے جب یہ سارے احوال سنے تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگی میں اس مجاہد سے جو غریب الدیار ہے اور معذور بھی ہے۔ شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ گھر والے بھی متفق ہو گئے.....اب ترک مجاہد یہاں سے اٹھا اور صلاح الدین سے کہنے لگا! کیا آپ کا شادی کا کوئی پروگرام ہے؟ صلاح الدین نے کہا، کر تو لوں مگر میرے پاس ایک سو ڈالر کے سوا کچھ بھی نہیں، ترک مجاہد نے کہا، ڈالروں کو دفع کرو، شادی کا ارادہ ہے تو میری بہن حاضر ہے۔ میری بہن نے آپ کو دیکھا ہے وہ رضامند ہے۔ آپ بھی دیکھ لیں، صلاح الدین نے بھی دیکھ لیا.....اور وہیں دونوں کی شادی ہوگئی۔ ترک مجاہد نے اپنے مجاہد بھائی کو پانچ ہزار ڈالر دیئے اور ایک کار بھی دے دی اور کہا کار میں گھومو پھرو اور ان پیسوں کے ساتھ کوئی کاروبار کر لو اور زندگی گزارو۔

صلاح الدین اپنی دوسری اور نئی بیوی کے ساتھ ترکی میں زندگی گزارنے لگ گیا۔ زندگی خوب اچھی طرح گزرنے لگی.....صلاح الدین نے اس کے باوجود چیچنیا کے جہاد میں جانے کا ارادہ کیا..... کئی بار کوششیں کیں مگر کامیاب نہ ہو سکا..... بالآخر وہ دوبارہ افغانستان جا

پہنچا۔ پہلی بار وہ روسی فوجوں کے خلاف لڑنے کے لیے یہاں آیا تھا...... اب وہ امریکہ کی اتحادی فوجوں کے خلاف لڑنے کے لیے یہاں پہنچ گیا۔

سردیوں کا موسم تھا اسے معلوم تھا کہ سردی میں اس کے پاؤں میں شدید درد شروع ہو جاتی ہے۔ اس پر لوہے کا خول چڑھا ہوا تھا قندھار کا علاقہ تھا مجاہدین محو سفر تھے، درد کی شدت کی وجہ سے اس کے آنسو بہ رہے تھے مگر وہ بتلا نہ رہا تھا کہ مبادا مجھے اس مہم میں شامل ہونے سے روک نہ دیا جائے۔

جی ہاں! وہ چلتا رہا اور پھر صلیبیوں کا ایک گولہ آیا یہ توپ کا گولہ تھا، صلاح الدین کو لگا اور وہ وہیں اللہ کے راستے میں شہید ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بیوی نے اپنے زیورات بیچے اور خاوند کو بوسنیا میں بھیج دیا

ابوخلود یمنی اپنے ملک کے سکول میں استاد تھے۔ بوسنیا میں سرب عیسائیوں کے مظالم کی داستانیں ان کی بیوی نے ملاحظہ کیں تو اس نے اپنے سونے کے زیورات اٹھائے۔ انھیں بیچا اور اپنے خاوند ابوخلود سے کہنے لگی! جاؤ اور بوسنیا میں اپنے مظلوم بھائیوں اور بہنوں کی مدد کرو...... ابوخلود بوسنیا جا پہنچا۔ معرکے لڑنے لگا۔ ایک معرکے میں وہ اگلے مورچے پر اپنے ساتھی سے کہنے لگا! اللہ سے شہادت مانگتا ہوں۔ شہ رگ کٹے اور سیدھا اللہ کے پاس پہنچ جاؤں ...... چنانچہ معرکہ ہوا۔ توپ کا پارچہ شہ رگ پر لگا۔ ابوخلود یوں ہو گیا جیسے تیز دھار چھری نے ذبح کر دیا ہو۔ اللہ نے اس کی خواہش کو پورا کر دیا اور اپنے پاس بلا لیا۔

بوسنیا میں شہید ہونے والا یہ ایک اور جوان ہے۔ اس کا نام ابوعمیر الجداوی ہے۔ ابو عمیر افغانستان میں روسیوں کے خلاف برسرپیکار رہا جب روسی فوج وہاں سے نکل گئی تو ابو عمیر واپس جدہ چلا گیا۔ وہاں اس نے قرآن حفظ کیا...... اور پھر بوسنیا کا جہاد شروع ہوا تو وہ بوسنیا جا پہنچا۔ وہاں ایک دن جب مجاہد سمولین کے معروف معرکے کے لیے جا رہے تھے تو راستے میں ان کے امیر فالح نے مجاہدین کو دو دستوں میں تقسیم کر دیا اور فیصلہ کیا کہ پہلا دستہ پہاڑ پر چڑھے گا اور برسرپیکار ہو گا جبکہ دوسرا دستہ آرام کرے گا اور بعد میں دوسرے پہاڑ کے معرکے میں دوسرا دستہ جائے گا...... ابوعمیر الجداوی نے اپنے امیر سے درخواست کی کہ اسے دونوں دستوں میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ وہ اگرچہ بڑا تنومند جوان تھا اور

دونوں پہاڑوں پر چڑھنے اور جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا مگر امیر نے اس کی یہ درخواست منظور نہیں کی ...... اس پر وہ اپنے امیر کو واسطے دینے لگا اور منتیں کرنے لگا آخر کار امیر نے مجبور ہو کر اسے اجازت دے دی ...... اب ابوعمیر جداوی اس قدر خوش تھا کہ اس کی خوشی بیان نہیں کی جا سکتی۔

اگلے دن معرکہ تھا اور رات کو ابوعمیر نے اپنے کپڑے، پیسے اور جو کچھ پاس تھا سب اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ بڑی عالیشان خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ کیا تم میں سے کسی نے خوشبو لگا رکھی ہے؟ ساتھیوں نے نفی میں جواب دیا۔ البتہ اتنا کہا کہ ہمارے پاس خوشبو موجود ہے۔ اب وہ ہر ایک کی شیشی سونگھنے لگا مگر کوئی خوشبو بھی وہ نہ تھی جسے ابوعمیر سونگھ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ خوشبو بڑی نایاب قسم کی ہے ...... اگلے دن جب معرکہ ہوا تو ابوعمیر رب کے راستے میں شہید ہو چکا تھا ...... اس نے وصیت کی تھی کہ شہادت کے بعد اس کی قیمتی گھڑی بوسنوی مجاہد درویش کو دے دی جائے ...... درویش کو گھڑی دی گئی تو وہ اپنے شہید بھائی کی لاش پہ گر کر بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

جدہ ہی کا رہنے والا یہ ایک اور اللہ کا شیر ہے اس کا نام ابوزیاد الجداوی ہے۔ وہ روسیوں کے خلاف قندھار میں لڑتا رہا۔ جب روس کی فوج نکل بھاگی تو وہ واپس جدہ چلا گیا اور پھر بوسنیا میں جہاد شروع ہوا تو وہ وہاں پہنچ گیا۔ اپنے آخری معرکے سے پہلے وہ اپنے ساتھیوں میں انگور بانٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ جنت کے انگور کیسے ہوں گے؟ اور جب معرکہ شروع ہوا تو وہ سربوں کی صفوں میں گھس کر لڑتا چلا گیا ...... حتیٰ کہ لڑتا لڑتا شہید ہو گیا۔ سرب اس کی لاش کو اٹھا کر لے گئے۔ چونکہ ابوزیاد الجداوی نے سرب فوجیوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا لہٰذا انھوں نے انتقام لیتے ہوئے ابوزیاد کی لاش کو اپنے شہر ڈوبوی میں صلیب پر لٹکایا ...... لاشوں سے بدلے لینا کافروں کی حماقت ہے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کیا خوب فرماتی ہیں کہ بکری جب ذبح ہوگئی تو ذبح ہونے کے بعد کھال اتارنے کی اسے کیا تکلیف ہوگی؟ جی ہاں! ابوزیاد تو اپنے رب کے پاس حوروں کے جھرمٹ میں تھا

اس نے جن کو مارا وہ جہنم کا ایندھن بن رہے تھے ان شاء اللہ اسے اس بات کی کیا پرواہ کہ اس بے روح لاش اور گوشت سے کافر کیا سلوک کرتے ہیں؟

یہ ایک اور جوان ...... اللہ کا شیر عباس الخولانی ہے طائف کا رہنے والا ہے۔ روسیوں کے افغانستان آنے پر وہ کوہ ہندوکش کی چوٹیوں پر جہاد کی تربیت لیتا رہا...... قندھار میں روسیوں کے خلاف لڑتا رہا...... اور جب روسی بھاگ اٹھے تو عباس خولانی بوسنیا جا پہنچا۔ وہاں ایک معرکے میں اس نے کئی سربوں کو ہلاک کیا آخر پر وہ سرب فوجیوں کے مورچے میں گھسنے لگا کہ وہاں سے زندہ سربی پکڑ کر لے جائے اور اس کے بدلے اپنے ساتھیوں کو رہائی دلائے تو اس دوران دوسرے مورچے سے ایک گولی آئی۔ عباس الخولانی کو لگی اور وہ اللہ کے راستہ میں شہید ہوگیا۔

سربرنیکا کے مسلمان اقوام متحدہ کی چھتری تلے ذبح ہو گئے

سربوں کے مظالم کی داستانیں جب دنیا بھر میں پھیلیں تو مجبوراً امریکہ اور یورپ کو بوسنیا میں اقوام متحدہ کی امن افواج بھیجنا پڑیں لیکن امن افواج میں جو فوجی تھے وہ تمام تر یورپی ملکوں کے عیسائی فوجی تھے۔ ان کی ہمدردیاں اپنے عیسائی ہم مذہبوں کے ساتھ تھیں، امن صلیبی فوج کی جانبداری کے چھوٹے موٹے واقعات تو بے شمار ہیں تاہم جس واقعہ نے ظلم و عدوان کی نئی تاریخ رقم کی اور یو این او کے منہ پر کالک کا لیپ کیا وہ یہ تھی کہ بوسنیا کے شہر ''سربرینکا'' کو یو این او کی امن فوج نے اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ تمام باسیوں سے اسلحہ لے لیا۔ ان بے چاروں کے پاس تو پہلے ہی بہت تھوڑا اور تھرڈ کلاس اسلحہ تھا، وہ بھی لے لیا گیا، اسلحہ لینے کے بعد یو این او کی امن فوج نے چند دن ان کا دفاع کیا اور پھر جب سرب حملہ آور حملہ کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے تو یو این او کے تحت ہالینڈ کے فوجیوں نے جو یہاں پر تعینات تھے۔ ایک طرف ہٹ گئے اور باقاعدہ سازش کے تحت سرب درندے اس شہر پر ٹوٹ پڑے اور پھر نہتے مرد، عورتیں اور بچے انتہائی ظلم اور شقاوت سے شہید کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے صلیبوں کی اس خصلت کا خوب نقشہ کھینچا ہے فرمایا:

(مسلمانو) کافر تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ کہیں تم لوگ اپنے ہتھیاروں اور ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو یہ تم پر ایک ہی ہلے میں ٹوٹ پڑیں۔ (النساء:102)

شہریوں کے بے دریغ قتل عام کا یہ واقعہ جب دنیا کے سامنے آیا تو یو این او کی بے حد رسوائی ہوئی اور ثابت ہو گیا کہ یورپ ہی نہیں بلکہ یو این او کے نام پر صلیبوں کا یہ ادارہ بھی

مسلمانوں کے قتل عام میں شامل ہو گیا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں کی یوں تو بوسنیا میں بیشمار اجتماعی قبریں بنیں اور وہ ایک عشرے بعد تک دریافت ہوتی رہیں۔ آج 2007ء تک یہ قبریں متواتر دریافت ہو رہی ہیں، یعنی اس قدر مسلمانوں کا قتل عام ہوا ہے، لیکن جب مجاہدین کے جہاد کی صورت میں پانسا پلٹتا ہوا دکھائی دینے لگا تو اب یورپ کے لوگ اٹھے اور دنیا بھر میں شور مچانے لگے کہ جنگ بند ہونی چاہیے اور جنگی مجرموں پر مقدمات قائم ہونے چاہئیں چنانچہ اب امریکہ اور یورپ اپنے مفادات کے تحت سنجیدہ ہو گئے، جنگ بند کر دی گئی اور بوسنیا کے لوگوں کو 51 فیصد رقبہ دینے پر تیار ہو گئے حالانکہ شروع میں وہ سترہ فیصد بھی دینے پر تیار نہ تھے۔ 51 فیصد میں بھی انھوں نے کافی مکاریاں کیں، تاہم جنگ بند ہو گئی، امریکہ، یورپ اور یو این او کے نام نہاد منصفین کہنے لگے کہ جنگی مجرموں پر مقدمات چلیں گے، یہ مقدمات کیسے چلے، آیئے! یہ مضحکہ خیز صورت حال بھی ملاحظہ کر لیجیے:

جنگی مجرموں پر مقدمات ایک مذاق:

جنگی جرائم کی عدالتیں تشکیل دے دی گئیں، ان جنگی مجرموں میں سربوں کے ساتھ ساتھ بوسنیا کے بعض مجاہد لیڈروں کو بھی کہہ دیا گیا کہ یہ بھی جنگی مجرم ہیں لہٰذا ان مجاہد لیڈروں کے نام بھی فہرست میں درج کر لیے گئے، سرب مجرموں کو جب عدالتوں میں پیش کیا گیا تو پوری گواہیوں، دلائل کے ساتھ بوسنیا کے مظلوم گواہ پیش ہوئے۔ شہادتیں ایسی مضبوط تھیں کہ کوئی انکار نہ کر سکتا تھا، تاہم صلیبی ججوں نے جو فیصلے سنائے، مثال کے طور پر وہ اس طرح تھے۔

① ایک سرب لیڈر کو جرائم ثابت ہونے پر سات سال کی سزا دی گئی اور ساتھ ہی کہا گیا کہ جب آدھی سزا یعنی ساڑھے تین سال پوری ہو جائے گی تو باقی سزا قابل معافی ہے۔

② کروشیا کا ایک فوجی افسر جو بوسنیا کے عام لوگوں کی جیل کا نگران تھا اور اس نے ظلم کی حدود کو پھلانگا تھا، اسے چار سال قید کی سزا سنائی گئی۔

③ ایک سرب فوجی افسر کو چھ سال سزا سنائی گئی حالانکہ اس پر ہزاروں بوسنیوں کی اجتماعی قبریں بنانے کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔

④ اسی طرح کے ایک اور سرب مجرم کو صرف تین سال کی سزا سنائی گئی، یعنی خود ہی ظالم، خود ہی منصف اور خود ہی سزا سنانے والے۔ اور وہ سزا کیسی ہوگی؟ یہ بھی جیل کے اندر ایک مذاق ہی تھا، الغرض! یہ ڈرامہ اس لیے رچایا گیا تا کہ یو این او امریکہ اور یورپ وغیرہ کے منہ پر جو کالک کا لیپ ہوا ہے۔ اسے صاف کیا جائے مسلمانوں کے غصے کو ٹھنڈا کیا جائے اور بس!

حالات کو دیکھتے ہوئے زبان سے بے اختیار یہ جملے نکلتے ہیں۔ آفرین ہے اللہ کے ان شیروں پر خاص طور پر عرب مجاہدین پر جو اپنے گھروں کی خوشحال زندگیاں چھوڑ کر بوسنیا میں آئے، قربانیاں پیش کیں، اور پھر ان کی قربانیوں کے نتیجے میں صلیبیوں کو جنگ بھی بند کرنا پڑی۔ مسلمانوں کو بوسنیا کا کچھ نہ کچھ حصہ بھی دینا پڑا، علی عزت کو صدر بھی ماننا پڑا اور مجرموں کو سزا دینے کا ڈرامہ بھی کرنا پڑا۔

ان مجاہدین میں مصر کے جنرل ابو ایمن جنھوں نے سرنگ کھدوائی تھی۔ وہ بھی ایک معرکے میں شہید ہو گئے۔ ابو مصعب سویدی بھی شہید ہوئے۔ ابو خالد القطری شہید ہوئے، ابو علی جو کویت سے آئے تھے وہ شہید ہوئے۔ ابو الحسن فلسطین سے آئے ان کا اپنا دیس یہود کے پنجے میں ہے مگر وہ یہاں آ کر بوسنوی بھائیوں کے لیے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ابو خبیب مدینہ منورہ سے آئے اور بوسنیا میں شہید ہو کر یورپ کی مٹی میں مدفون ہوئے، الغرض! شہداء کی ایک تعداد اللہ کے راستے میں شہید ہوئی...... سربوں کا ظالم صدر سلوبووان بھی مر چکا ہے اور بوسنیا کے صدر علی عزت بھی فوت ہو چکے ہیں...... اللہ کے دربار میں فیصلے ہوں گے۔